مثنوی مولوی معنوی
ہست قرآں در زبان پہلوی
(جامیؒ)

انوار العلوم

اردو نثر

مثنوی مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ

مکمل ۶ حصے

مصنف

سلطان العارفین بحر رموز حقائق خزانہ علم و حکمت دانائے عشق و معرفت

حضرت مولانا جلال الدین محمد بلخی رحمۃ اللہ علیہ

المعروف بہ مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ

مترجم: محمد عالم امیری

حکیم الامت علامہ محمد اقبال کا اپنے رُوحانی مُرشد مولانا رُومؒ کو خراجِ تحسین

بکامِ خود دگر آں کہنہ مے ریز
کہ با جامش نیرزد ملکِ پرویز
ز اشعارِ جلال الدین رُومیؒ
بہ دیوارِ حریمِ دل بیاویز

اپنے حلق میں پھر ایک مرتبہ وہ پُرانی شراب انڈیل، جس کے جام کی قیمت پرویز کے مُلک سے بھی زیادہ ہے۔
جلال الدین رُومیؒ کے اشعار سے اپنے دِل کی چار دیواری کو آراستہ کر لے۔

بگیر از ساغرش آں لالہ رنگے
کہ تاثیرش دہد لعلے بہ سنگے
غزالے را دلِ شیرے بہ بخشد
بشوید داغ از پُشتِ پلنگے!

اُس کے پیالہ سے وہ سُرخ رنگ کی شراب لے، جس کی تاثیر پتھر کو بھی لعل بنا دیتی ہے، نوعمر ہرن کو وہ شیر جیسا دل بخش دیتی ہے اور چیتے کی پُشت پر سے داغ دھو ڈالتی ہے۔

نصیبے بردم از تاب و تبِ او
شبم مانندِ روز از کوکبِ او
غزالے در بیابانِ حرم بیں
کہ ریزد خندۂ شیر از لبِ او

مَیں نے اُسی کی چمک اور تپش سے حِصّہ پایا ہے، اِسی کے ستارے نے میری رات کو دن کی طرح روشن کر دیا ہے۔ (اب) بیابانِ حرم میں (اس) غزال کو دیکھ، اس کے لبوں پر شیر کی سی مُسکراہٹ ہے (اپنی طرف اشارہ ہے)۔

حکیم الامت علامہ محمد اقبالؒ کا اپنے روحانی مرشد مولانا رومؒ کو خراجِ تحسین

سراپا درد و سوزِ آشنائی | وصالِ اُو زبان دانِ جدائی
جمالِ عشق گیرد از نئے اُو | نصیبے از جلالِ کبریائی

رومیؒ کا کلام سراپا درد و سوزِ محبت ہے، اس کا وصل، ہجر کا ترجمان ہے۔
اس کے نغموں کی بدولت جمالِ عشق، جلالِ کبریائی کی شان رکھتا ہے۔

گرہ از کارِ ایں ناکارہ وا کرد | غبارِ رہگذر را کیمیا کرد
نئے آں نے نوازے پاکبازے | مرا با عشق و مستی آشنا کرد

اُس نے مجھ جیسے ناکارہ کی مشکلات حل کر دیں، مجھ جیسے غبارِ راہ کو کیمیا بنا دیا۔
اِس پاکباز نے نواز کے نغموں نے مجھے عشق و مستی (کی دولت) سے آشنا کر دیا۔

بروے من درِ دل باز کردند | ز خاکِ من جہانے ساز کردند
ز فیضِ اُو گرفتم اعتبارے | کہ با من ماہ و انجم ساز کردند

مجھ پر دل کے دروازے کھول دیئے گئے، میری خاک سے ایک نیا جہان تعمیر کیا گیا۔
میں نے رومیؒ کے فیض سے وہ مرتبہ پایا، کہ اب چاند ستارے میری موافقت میں چلتے ہیں۔

مثنوی مولوی معنوی   ہست قرآں درزبان پہلوی
(جامی)

انوار العلوم

اردو نثر

مثنوی مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ

مصنف

سلطان العارفین بحر رموز حقائق خزانہ علم و حکمت دانائے عشق و معرفت

حضرت مولانا جلال الدین محمد بلخی رحمۃ اللہ علیہ

المعروف بہ مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ

دفتر اول تا ششم



مترجم: محمد عالم امیری

الحمد للہ

انوار العلوم

اب تک چودہ ہزار کی تعداد میں چھپ کر اپنے چاہنے والوں تک پہنچ چکی ہے

طبع اوّل ــــــــ اکتوبر 1999ء

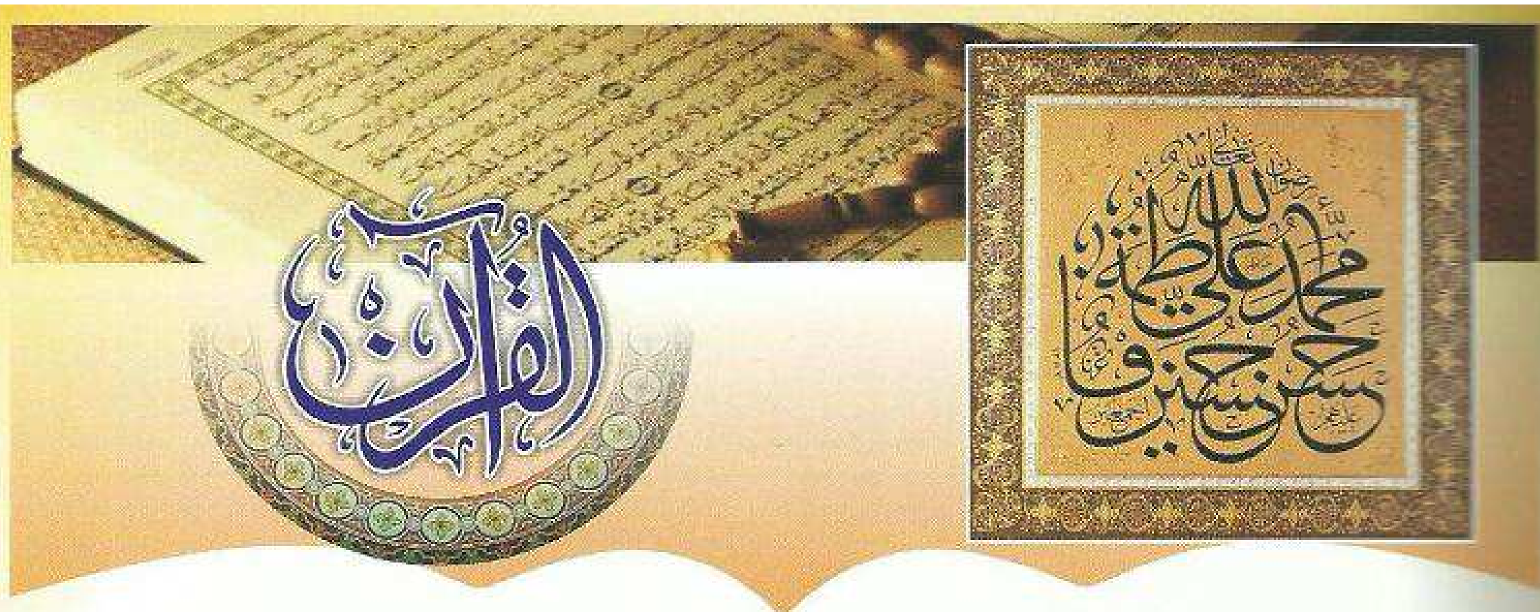
طبع پانزدہم (۱۵) ڈیلکس ایڈیشن ــــــــ مئی 2014ء

محمد اظہر سبحانی نے
خدیجہ پبلی کیشنز لاہور
سے شائع کی۔

قیمت ڈیلکس ایڈیشن :- /1200

مطبع : فائن بک پرنٹرز، ۷- آر آوٹ فال روڈ لاہور

خدیجہ پبلی کیشنز
عظمت منزل خدیجہ سٹریٹ ابدالی چوک اسلام پورہ لاہور
فون نمبر 042-37153092 موبائل نمبر: 0300-4101533



بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

- سَلٰمٌ ۣ قَوْلًا مِّنْ رَّبٍّ رَّحِيْمٍ ○
- سَلٰمٌ عَلٰى نُوْحٍ فِى الْعٰلَمِيْنَ ○
- سَلٰمٌ عَلٰۤى اِبْرٰهِيْمَ ○
- سَلٰمٌ عَلٰى مُوْسٰى وَهٰرُوْنَ ○
- سَلٰمٌ عَلٰۤى اِلْ يَاسِيْنَ ○
- سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ طِبْتُمْ فَادْخُلُوْهَا خٰلِدِيْنَ ○
- سَلٰمٌ ۛ هِىَ حَتّٰى مَطْلَعِ الْفَجْرِ ○

اِنتساب

مَیں اپنی اِس کوشش کو

اپنے شیخِ طریقت، عمیمُ الاحسان، خواجۂ خواجگان،

امیرِ کاروانِ ولایت،

امیرالاولیاء حضرت سیّدنا خواجہ محمّد امیرالدّین رحمۃ اللہ علیہ

قادری چشتی شکوُری

کے نام مُعنوَن کرتا ہوُں،

جن کی ایک نگاہِ کرم اغیار کو بھی اپنا بنا لیتی

گر قبوُل افتد زہے عزّ و شرف

اسمِ اعظم ہی سمجھتا ہوں میں اسمِ یار کو

اس لئے میں یارِ حق کے نام کا عامل ہوا



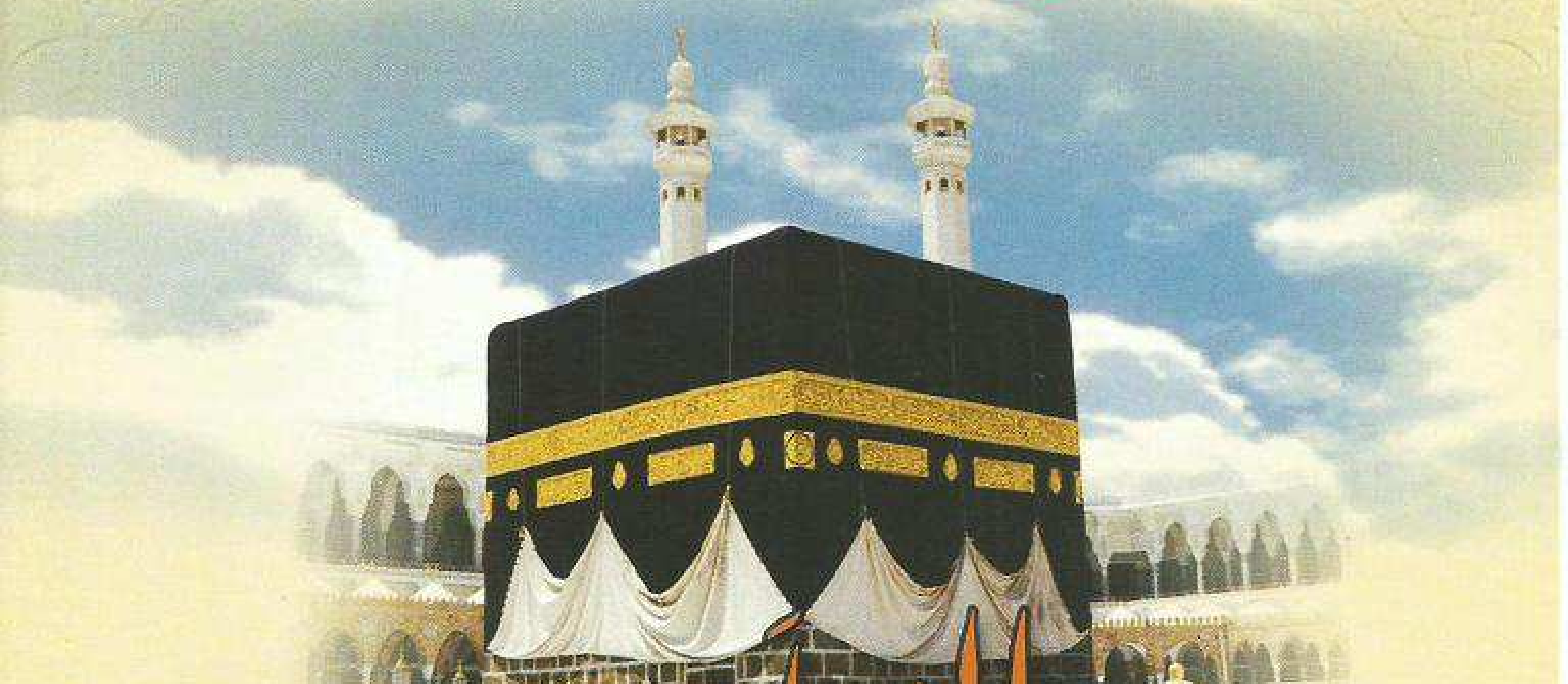
امیر الاولیاء حضرت سیدنا خواجہ محمد امیر الدین رحمۃ اللہ علیہ

تاریخ پیدائش و مقام: ۱۹۰۵ء (جالندھر)

وصال و مقام مزار: ۲۱ جون ۱۹۶۸ء (فیصل آباد)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

وَالَّذِيْنَ جٰهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا



وَاِنَّ اللّٰهَ لَمَعَ الْمُحْسِنِيْنَ ۝

(العنکبوت: ۶۹)

اور جنہوں نے ہماری راہ میں کوشش کی ضرور ہم اُنہیں اپنے راستے دکھادیں گے،
اور بیشک اللہ پاک نیکوں کے ساتھ ہے۔

حمد باری تعالیٰ

اے خُدا اے مہرباں مَولائے من
اے انیسِ خلوتِ شبہائے من
اے کریم اے کارسازِ بے نیاز
دائمُ الاحساں شہِ بندہ نواز
اے کہ نامت راحتِ جان ودلم
اے کہ فضلِ تو کفیلِ مُشکلم

ما خطا آریم و تو بخشش کُنی
نعرہ انی غفورٌ مے زنی

خُدا کی تعریف

اے خدا، اے کہ تو میرا مہربان مَولا ہے۔ اے کہ تُو میری راتوں کی تنہائی کا رفیق ہے۔ اے کریم اے میرے بے نیاز کارساز، تو ہمیشہ احسان کرنے والا اور بندہ نواز بادشاہ ہے۔ اے کہ تیرا نام میرے دل کے لیے باعثِ آرام ہے اور اے کہ تیرا فضل میری مُشکلات کو دُور کرنے والا ہے۔ ہم غلطی کرتے ہیں اور تُو مُعاف کرتا ہے اور ہمیں یہ خوشخبری دیتا ہے کہ میں بہت بخشنے والا ہوں۔

وَأذَنْ لِسُحُبِ صَلٰوۃٍ مِّنْكَ دَآئِمَۃً

عَلَى النَّبِيِّ بِمُنْهَلٍّ وَّمُنْسَجِمِ

قصیدہ بُردہ شریف

ترجمہ

بھیج سحاب صلوٰۃ الٰہی خاص ہمیش نبیؐ تے — ڈولیں مُشکاں جھم بھر مشکاں کھول سبھی اس خم دی

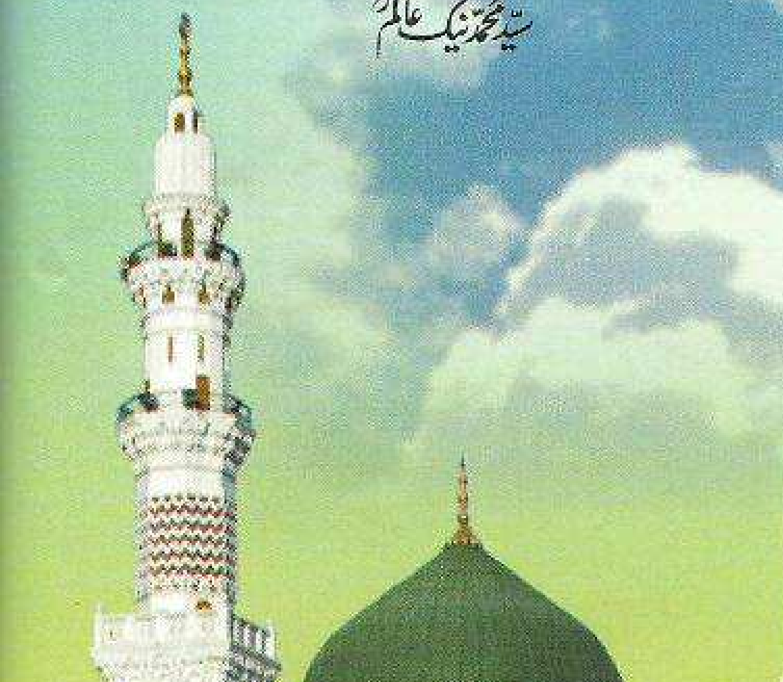
سید محمد نیک عالمؒ

حدیث نبوی

سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں۔

مَیں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سُنا : (جسم پیدا ہونے سے پہلے) عالمِ ارواح میں تمام ارواح گروہوں کی شکل میں رہتی تھیں پس جس جس رُوح میں وہاں پہچان ہو گئی، یہاں (اِس دُنیا میں جسم کے اندر آنے کے بعد) بھی اُن میں باہم محبت ہوتی ہے اور جو (عالمِ ارواح میں) ایک دُوسرے سے اجنبی رہیں تو یہاں (عالمِ دُنیا میں) بھی اُن میں بیگانگی رہے گی۔

بُخاری شریف
(کتاب بدءِ الخلق)



وَالْاٰلِ وَالصَّحْبِ ثُمَّ التَّابِعِيْنَ لَهُمْ

اَهْلِ التُّقٰى وَالنُّقٰى وَالْحِلْمِ وَالْكَرَمِ

قصیدہ بُردہ شریف

ترجمہ

آلِ نبیؐ اصحابؓ سوہنی جنہاں تابعداراںؒ سوہنی صفت جنہاںؒ وچ سوہنے تقویٰ علم حلم دی

سید محمدؐ نیک عالمؒ

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں : ایک شخص نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے قیامت کے بارے میں دریافت کرتے ہوئے سوال کیا کہ قیامت کب آئے گی؟ آپؐ نے جواب دیا : تم نے اُسکی کیا تیاری کی ہے۔ وہ بولا کوئی تیاری نہیں ہے مگر میں اللہ تعالیٰ اور اُسکے رسُولؐ سے محبت رکھتا ہُوں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا : تم اُسکے ساتھ ہوگے جس سے تم محبت رکھتے ہو۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اِس فرمان کے ذریعے ہمیں جتنی خوشی ہُوئی اور کسی چیز سے اِتنی خوشی نہیں ہُوئی آپؐ نے جو یہ فرمایا تھا : تم جس سے محبت رکھتے ہو، اِس کے ساتھ ہوگے۔

حضرت انسؓ بیان کرتے ہیں، مَیں اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم، حضرت ابُوبکر صدیق اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما سے محبّت رکھتا ہُوں۔ مجھے یہ اُمّید ہے، مَیں ان حضرات کے ساتھ محبت کی وجہ سے اِن کے ساتھ ہوں گا، اگرچہ میرا عمل ان کے عمل جیسا نہیں ہے۔

کتاب فضائل الصحابہ
صحیح بُخاری شریف





نعتِ پیمبر صلی اللہ علیہ وسلم

زینتِ یٰسٓ تُوئی زیبائشِ طٰہٰ تُوئی
صاحبِ معراج سُبحٰن الّذی اسریٰ تُوئی

یٰسین اور طٰہٰ کی زینت و زیبائش اور فضیلت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وجہ سے ہے۔ آپ ﷺ ہی صاحبِ معراج ہیں اور سُورۃ سُبحٰن الّذِی اسریٰ کا نام آپ ﷺ کی وجہ سے ہے۔

مَرحبا صَلِّ علیٰ روشن جہاں از رُوئے تو
خُسروِ شہرِ مدینہ رونقِ کعبہ تُوئی

آپ ﷺ پر دُرود و سلام ہو۔ دُنیا میں جو روشنی (نُورِ ہدایت) ہے، صِرف آپ ﷺ کی وجہ سے ہے۔ مدینہ مُنوّرہ کے شہنشاہ اور کعبۃُ اللہ کی رونق آپ ﷺ ہی ہیں۔

رحمۃ اللعالمیں آمد زِ شانِ پاکِ تو
بے نوارا سرپرست و والی و مولیٰ توئی

آپ ﷺ کی شان پاک کے حسبِ حال اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو رحمۃ اللعالمین کے لقب سے نوازا ہے۔ غریب اور لاوارث لوگوں کے سرپرست آقا و مولیٰ آپ ﷺ ہی ہیں۔

یا رسول اللہ! بسوئے ما غریباں یک نظر
بے نوارا دستگیر و ماویٰ و ملجا توئی

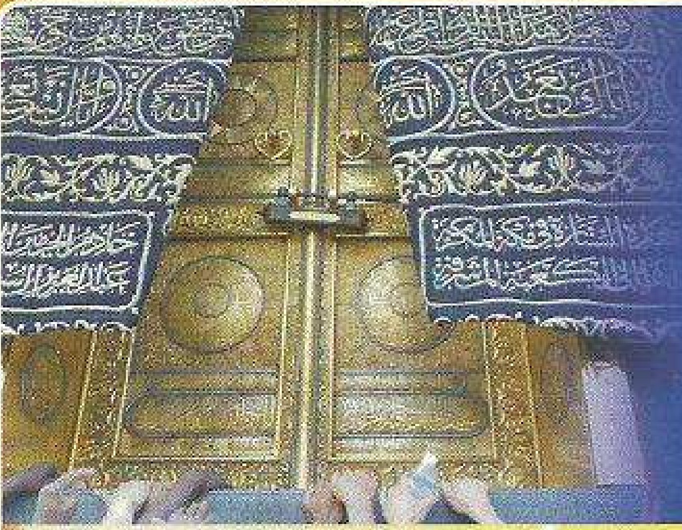
اے رسول اللہ ﷺ! ہم غریبوں کی طرف رحمت کی نظر فرمائیں۔ بے سہارا لوگوں کے آپ ﷺ مددگار اور ٹھکانہ ہیں۔

نعتِ پیمبر منیر از شمس تبریزے شنو
مصطفیٰ و مجتبیٰ و سیّد و اعلیٰ توئی

شمس تبریز سے رسولِ پاک ﷺ کی نورانی شخصیت کی نعت سنو۔ آپ ﷺ منتخب شدہ سردار اور سب سے برگزیدہ یعنی اعلیٰ و ارفع ہیں۔

حضرت مولانا جلال الدین محمد رومی رحمۃ اللہ علیہ

مترجم: محمد رشید ظفر امیری



مُناجات

(حضرت شیخ ابوسعید ابوالخیر رحمۃ اللہ علیہ)

اے آنکہ بملکِ خویش پائندہ توئی

اے وہ جو اپنی ملکیت پر پُوری طرح قابض ہے۔

از دامنِ شب صبح نمائندہ توئی

رات کے سیاہ دامن میں سے صبح کو نکالتا ہے۔

کارِ منِ بیچارہ قوی بستہ شدہ

میں بہت ہی سخت مُشکل میں گرفتار ہوں۔

بگشائے خدایا کہ کشائندہ توئی

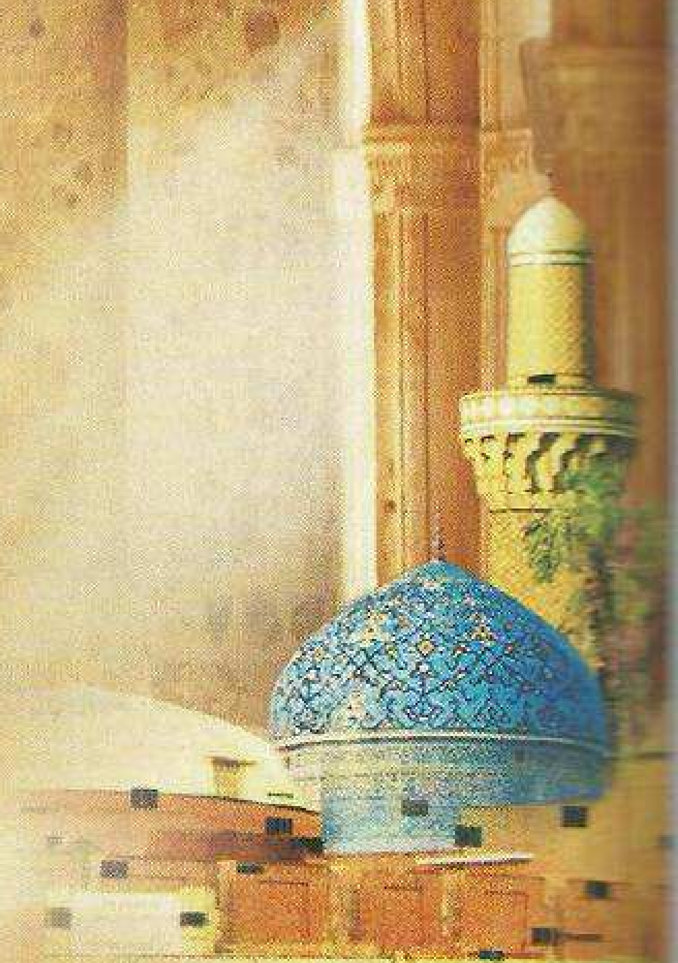
اے خدا! اُسے کھول دے کہ کھولنے والا تُو ہی ہے

دُعا

خداوندا بحقِ شاہِ جیلاں
محیُ الدین غوث و قطبِ دوراں
بکن خالی مرا از ہر خیالے
و لیکن آں کہ زو پیدا ست حالے

اے خدا! شاہ جیلاں کے صدقے میں
جو کہ محی الدین غوث اور جہاں کے قطب ہیں
میرے دل میں سے ہر خیال کو نکال دے
سوائے اُس خیال کے جس سے حال (کیفیت) پیدا ہو

حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ



ماشاءَ اللّٰہُ لاقوۃَ اِلّا باللّٰہ



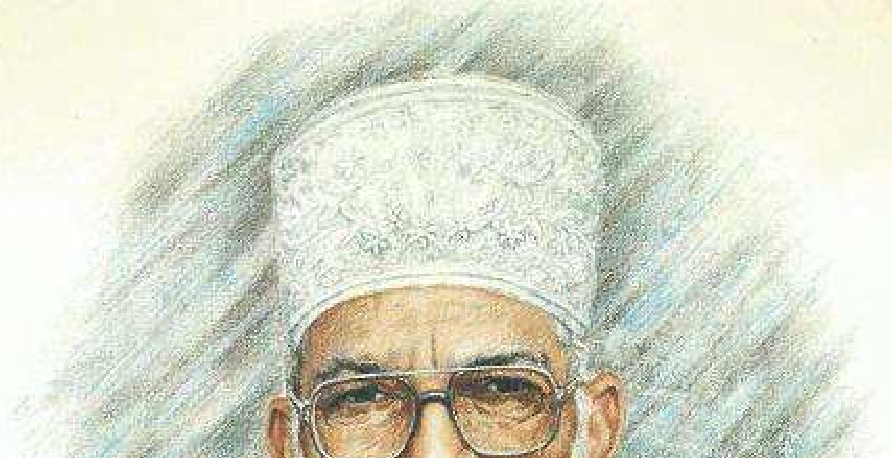
حضرت مولانا جلال الدین محمد رومی رحمۃ اللہ علیہ کے محبوب خلیفہ و سجادہ نشین حضرت حسام الدین ضیاء الحق چلپی رحمۃ اللہ علیہ کے سامنے کسی نے کہا کہ فلاں شخص حضرت مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ کے کلام کی شرح کرنے میں مہارت رکھتے ہیں۔ آپؒ نے فرمایا :

کلامِ خُداوندگارِ ما بمشابت آئینہ ایست

ترجمہ : ہمارے آقا و مولا حضرت مولاناؒ کا کلام مثل آئینہ ہے۔

اور مزید فرمایا کہ ”جب کوئی شخص آئینہ دیکھتا ہے تو اُس کو اِس میں اپنی صُورت نظر آتی ہے جو شخص مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ کے کلام کی شرح بیان کرتا ہے تو وہ اُس کا اپنا حال ہے، جو وہ بیان کرتا ہے۔“

نہ ملا زہد سے کچھ بھی ہمیں نخوت کے سوا
شغل بے کار ہیں سب تیری محبت کے سوا



محمد عالم امیری

مدظلہ العالی

خطاط محمد ریاض اعظمی امیری

انوار العلوم کے ڈیلکس ایڈیشن میں حسین وجمیل نستعلیق خطاطی جو کہ پڑھنے والوں کے لئے دلفریب منظر پیش کرتی ہے، یہ محمد ریاض صاحب کی چار سالہ شب و روز کاوشوں کا نتیجہ ہے۔ بلاشبہ اُن کی خوبصورت وجاندار خطاطی نے انوار العلوم کے حُسن میں چار چاند لگا دیئے ہیں۔ انوار العلوم میں موجود ان کے شاہکار کام کی تفصیل کچھ یُوں ہے

تقریباً ۹۰۰ مثنوی شریف کے اشعار بمعہ اردو ترجمہ (خطِ نستعلیق)

تقریباً ۷۰۰ سُرخیاں اور عنوانات (حکایات و دیگر موضوعات) یہ بھی خطِ نستعلیق میں ہیں اور عربی خطاطی۔

مُحمد ریاض اعظمی امیری کے تعارف کے بغیر ڈیلکس ایڈیشن ادھورا ہوتا۔ ریاض صاحب کا سب سے بڑا تعارف تو یہ ہے کہ وہ میرے حضرت قبلہ سے انتہائی عقیدت ومحبت رکھنے والے مرید باصفا ہیں۔ مزید تعارف کچھ اس طرح سے ہے۔ ۳ر جنوری ۱۹۵۱ءکو لاہور (ڈھولنوال) میں ولادت ہوئی۔ ابتدائی تعلیم گورنمنٹ پائیلٹ ہائی سکول شرقپور شریف سے حاصل کی۔ ۱۹۶۷ءمیں اُن کے ماموں حاجی اللہ رکھا صاحب نے خوشنویسی سیکھنے کیلئے الحاج محمد اعظم منوّر رقمؒ کے سپرد کیا جو کہ "دبستانِ نستعلیق لاہوری" کے مُوجد صُوفی عبدالمجید پروین رقمؒ کے مایۂ ناز شاگرد اور جانشین تھے۔ الحاج محمد اعظم منور رقمؒ کو خُدا تعالیٰ نے الفاظ کو نگینوں کی صُورت دینے اور ستاروں کی طرح چمکانے کا فن عطا کیا تھا۔ وہ تقریباً نصف صدی تک اس فنِ لطیف سے وابستہ رہے۔ وہ تخلیقی ذہن کے مالک تھے انہوں نے خطاط حضرات کی تربیت کے لئے تین کتب بھی تحریر کیں۔

۱۔ رہنمائے خوش خطی (طلبہ مدارس کی ابتدائی مشقوں کے لئے)

۲۔ تدریسِ خطاطی (قطعات کا ایک حسین وجمیل مرقع)

۳۔ نگارستان (اُن کے فن پاروں کا ایک مجموعہ)

حاجی صاحبؒ اپنی زندگی کے آخری دور میں طویل عرصہ تک صاحبِ فراش رہے۔ اپنی علالت کے زمانے میں بھی وہ فارغ نہ بیٹھتے تھے۔ بانس کے قلم تراشتے اور کلمہ طیبہ کی کتابت میں مشغول ہو جاتے۔ اِس دوران انہوں نے سَو سے زائد مرتبہ کلمہ پاک لکھا اور عجیب بات یہ ہے کہ ہر مرتبہ اسم پاک محمدؐ کو الگ ڈھنگ (طرز) سے لکھا۔ اس سے بھی عجیب تر یہ کہ اسمائے مُبارکہ کی کتابت بھی خطِ نستعلیق میں کی۔ وہ فرماتے تھے کہ بعض اوقات ایسا بھی ہوتا کہ انہیں اسمِ پاک محمدؐ کی نئی طرز نہیں سوجھتی تو کوئی وجدانی قوت اُن کی رہنمائی کرتے ہُوئے کہتی کہ اب یُوں لکھو۔ عالمِ اسلام کے کسی خطاط نے شاذ ہی اسمِ پاک محمدؐ کو اتنی انواع میں رقم کیا ہو۔ اُن کا وصال ۲ر رمضان المبارک ۱۴۱۷ھ بمطابق ۱۲ر جنوری ۱۹۹۷ء کو ہوا۔

اب ہم دوبارہ محمد ریاض اعظمی امیری کے تذکرے کی جانب آتے ہیں۔ یکم فروری ۱۹۷۰ء کو انہوں نے روزنامہ امروز میں بطور خوشنویس ملازمت اختیار کی۔ یہاں پر اُن کو بہت کچھ سیکھنے اور کرنے کے وسیع مواقع میسر آتے۔ ان کے فن کی آبیاری ہُوئی اور قلم میں کھل کر نکھار آیا۔ نومبر ۱۹۹۱ء کو حکومتِ وقت نے روزنامہ امروز کو بند کر دیا تو ریاض صاحب نے ذاتی طور پر کتابت و خطاطی کا سلسلہ جاری رکھا۔ اس سفر میں انہوں نے بہت سی کتابوں کے سرورق کے علاوہ اُردو، عربی اور فارسی کی اسلامی، تاریخی اور درسی کتب میں خطاطی کی مختلف طرزوں میں کیا جانے والا کام بھی شامل ہے۔ ان میں انجمن حمایت اسلام لاہور کا شائع قرآن مجید "فتح الحمید" کے ترجمہ کی خطاطی، درود و سلام کی کتاب "صلوٰۃ السحر" کی خطاطی
سید غلام معین الدین شاہ صاحب المعروف لالہ جی" گولڑہ شریف کا منظوم کلام "اسرار المشتاق" اور دربارِ عالیہ بڑیلہ شریف (ضلع گجرات) کی کتاب "انوار الحفیظ" کی خطاطی اُن کے قلم کے قابلِ ذکر شاہکار ہیں۔

انوار العلوم کی خطاطی کے جُملہ کام میں اگرچہ بہت طویل وقت (تقریباً چار سال) صرف ہُوئے مگر ریاض صاحب کا جذبہ ان چار سالوں میں آخری دن بھی روزِ اوّل کی طرح تر و تازہ رہا۔ وہ ہمیشہ خُوب سے خُوب تر کی تلاش میں رہے۔ مَیں اُن سے تقریباً دو ہفتے بعد خطاطی کا مکمل ہو جانے والا کام اکٹھا کر لیتا۔ اگر وقفہ طویل ہو جاتا تو وہ اس کا تنقیدی جائزہ لینا شروع کر دیتے اور مختلف زاویوں سے الفاظ کی نشست و برخاست اور جدت طرازی کے لئے غور و تحقیق کرتے رہتے۔ اکثر عنوانات کو دو دو تین تین مختلف طریقوں سے لکھ کر کہتے کہ جو پسند آئے فائل کر لینا۔

ایک مرتبہ خانہ فرہنگ اسلامی جمہوریہ ایران کی خطاطی کی ایک اُستاد خاتون (ایرانی نژاد) نے اُن کا انوار العلوم میں شامل کام دیکھا تو بہت ہی خوشگوار حیرت کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ اِتنا طویل اور خوبصورت کام کرنے کیلئے تو اِک عُمر چاہیئے۔

اپنے حضرت قبلہ کو جب بھی اشعار و عنوانات کی خطاطی برائے تصحیح پیش کرتا تو حضرت قبلہ ہر ہر مرتبہ تصحیح کرنے سے پہلے ریاض صاحب کی خطّاطی کی بہت تعریف فرماتے۔ اکثر فرماتے کہ بہت نفیس کام ہوا ہے۔ الفاظ کی بناوٹ میں خوبصُورتی جھلک رہی ہے۔ اس کو دیکھ کر طبیعت خوش ہو جاتی ہے۔ ایک نعرۂ تحسین تو اکثر تواتر سے بلند ہوتا۔ "واہ کیا بات ہے"۔ محنت و کاوش ریاض صاحب کی ہوتی اور خوشی کا اظہار میرے ساتھ فرماتے (یہی لمحات میری زندگی کا حاصل ہیں)۔

ایسے تعارفی مضمون کے اختتام پر دُعائیہ کلمات لکھے جانے کا دستور بھی چلا آ رہا ہے لیکن میری کیا اوقات کہ میں اُن کو دُعا دوں، جن کے لئے میرے حضرت کی بیشمار دُعائیں ہیں۔ بس اس خواہش کا اظہار کر سکتا ہوں کہ مالک اُن کو سلسلۂ عالیہ اور اس فنِ لطیف کی خدمت کے لئے تادیر سلامت باکرامت رکھے اور اُن کا قلم دِل و نگاہ میں سما جانے والے الفاظ کی بہاریں بکھیرتا رہے۔

اپنے آقائے نعمت کی شفقتوں کا اُمیدوار
محمد اظہر سُبحانی



اظہارِ تشکر

میں اس نوادرِ روزگار کاوش میں کامیابی پر مشکور و ممنون ہوں

پروردگارِ عالم اللہ تبارک و تعالیٰ کا

جس نے مجھ پر بے شمار نعمتوں کا نزول فرمایا اور سب سے بڑا احسان یہ فرمایا کہ مجھے اُمتِ مرحومہ محمدؐ کا ایک عاجز ذرہ بنا کر صاحبِ ایمان کیا۔

سرورِ دو عالم محبوبِ ربِ دو جہاں حضرت محمد مصطفےٰ ﷺ کا

جن کی حیاتِ طیبہ کا ہر ہر لمحہ جملہ انسانیت کے لئے ایک تاباں سورج کی مانند ہے جن کے ذریعے مالکِ دو جہاں نے اپنی پہچان عطا کی اور آپ ہی کی متبرک ہستی کے صدقے میں مجھے غلامِ اہلِ بیت محمد عالم امیری کی غلامی نصیب فرمائی۔

اپنے آقائے نعمت اور قاسمِ عرفان ذات سیّدنا قبلہ محمدؐ عالم امیری مدظلہ کا

کہ جنہوں نے میری تمام تر خطاؤں اور سیاہ کاریوں کے باوجود نہ صرف مجھے قبول کیا بلکہ اپنے قُربِ خاص سے نوازا اور شہرہ آفاق کتاب "انوارُ العلوم" کے ارفع و اعلیٰ کام کی خدمت میرے سپُرد کی۔ یہ خدمت نا صرف میرے لئے باعث صد افتخار ہے بلکہ سرمایۂ آخرت اور ذریعہ نجات بھی ہے۔

اپنے آقائے نعمت اور قاسمِ عرفان ذات سیّدنا قبلہ محمدؐ عالم امیری مدظلہ کے معزّز و محترم اور محبوب خلیفہ جناب محمد شہباز سعید مرزا مدظلہ کا

آپ کی ذات میرے دادا مُرشد حضرت خواجہ محمد امیر الدینؒ کے فرمان "دُنیا داری کے پردے میں دین داری بہت اعلیٰ عبادت ہے" کی عملی تفسیر ہے۔ آپ اپنے شیخ کی محبت میں مست و بے خود درویش ہیں۔ مَیں نے دوست کے ساتھ دوستی نبھانے کے انداز و طریقے اور رسمِ عاشقاں اسی سونڈ بوٹڈ سینئر بینکر سے سیکھے۔ کہا جاتا ہے کہ آدابِ محبت کسی سے سیکھے نہیں جا سکتے مگر مجھے اِس بات پر ناز ہے کہ میں نے رسمِ عاشقی اگر سیکھی اور فدایت کا درس اگر پایا تو اسی پردہ پوش ہستی کے دم قدم سے پایا۔ مَیں نے ظلمت خانہ سے روشنی کے گھر کا سفر اِسی مہربان دوست کے دولت کدے سے کیا۔ آپ کی قابلِ احترام اقامت گاہ پر مجھے اپنے حضرت قبلہ کی غلامی نصیب ہوئی اور میں حضرت قبلہ محمد عالم امیری مدظلہ کی بیعت سے شرف یاب ہوا۔



یہاں ہونا نہ ہونا اور نہ ہونا عین ہونا ہے
جسے ہونا ہو کچھ خاکِ درِ جانانہ ہو جائے

اپنے آقائے نعمت اور قاسمِ عرفان ذات سیّدنا قبلہ محمد عالم امیری مدظلہ کے معزز و محترم خادمِ خاص آلِ رسول سید عامر علی کا

انوار العلوم کی نوک پلک سنوارنے کے علاوہ سلسلہ عالیہ کے کسی بھی کام کو احسن و نفیس طریقے سے سرانجام دینے کے لئے ہمیشہ انہی سے رہنمائی لی۔ انوارُ العلوم کے اتنے بڑے پراجیکٹ کے دوران جب بھی مجھے ذہنی تھکاوٹ اور اُلجھن محسوس ہوتی تو ذہنی یکسوئی اور نئے عزم و ہمت کے لئے ہمیشہ انہی سے رابطہ کرتا جس سے مجھے ہمیشہ ایک نیا جوش اور تازہ ولولہ ملتا۔

اپنی شریکِ حیات عافیہ اختر کا

جنہوں نے انوارُ العلوم کے دُوسرے ایڈیشن سے لے کر اب تک (چودھویں ڈیلکس ایڈیشن) نہ صرف میری عملی معاونت کی بلکہ اس کی اشاعت ترسیل اور زیبا نقش و آرائش میں جہاں بھی کوئی رکاوٹ در پیش آتی تو وہ ہمیشہ یہی کہہ کر میرا حوصلہ بڑھاتیں کہ ”یہ ہمارا نہیں حضرت کا کام ہے۔ آپ صرف اپنی سی کوشش جاری رکھیں باقی حضرت کی جانب سے خود ہی کرم ہوتا ہے گا“ اور درحقیقت ایسا ہی ہوتا رہا۔ راستے میں حائل تمام مشکلات خود بخود حل ہوتی چلی گئیں۔

اپنے حضرت قبلہ کے اُن تمام مخلصین محبین اور متعلقین کا

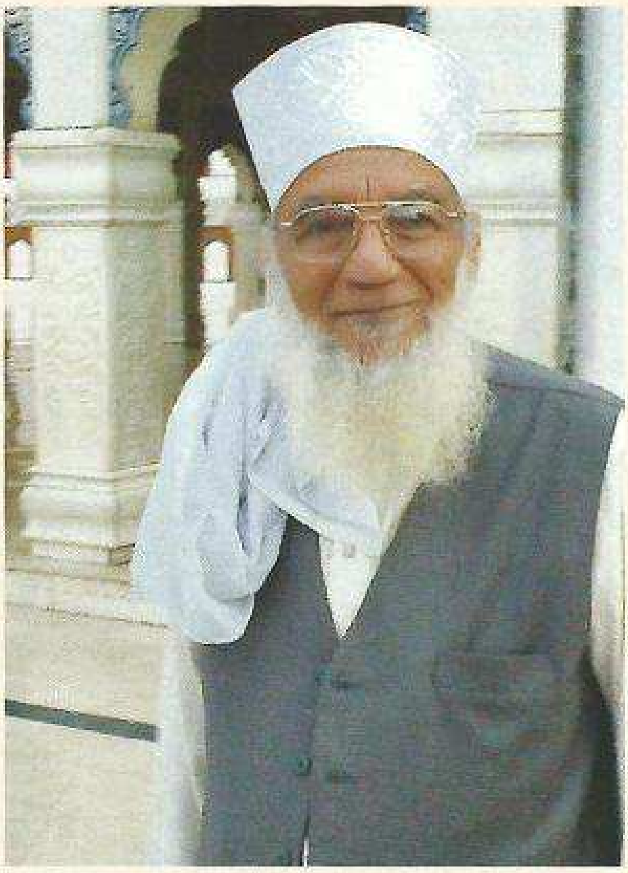
جن کا عملی، فنی اور مالی تعاون انوارُ العلوم کے پہلے ایڈیشن سے لے کر آج تک میرے ساتھ رہا۔

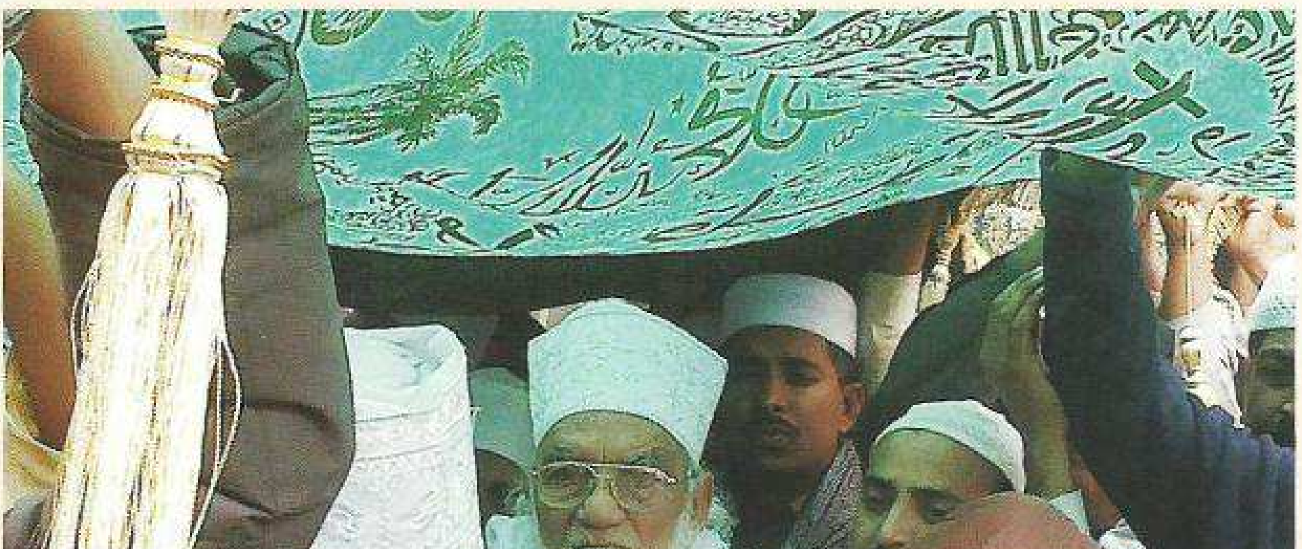
غلام غلامانِ آلِ محمد ﷺ

مُحمّد اظہر سُبحانی

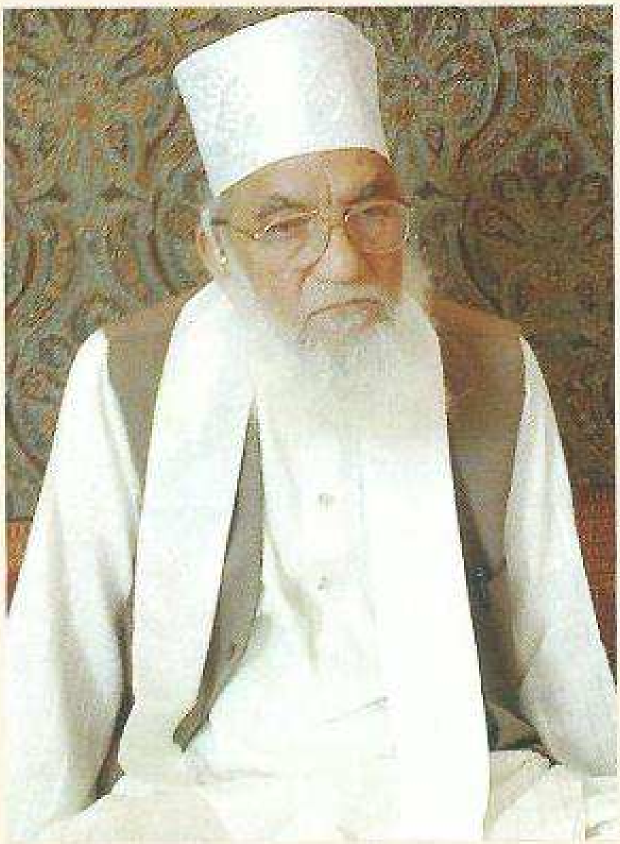
تینوں سامنے بٹھا کے تصویر بنواواں

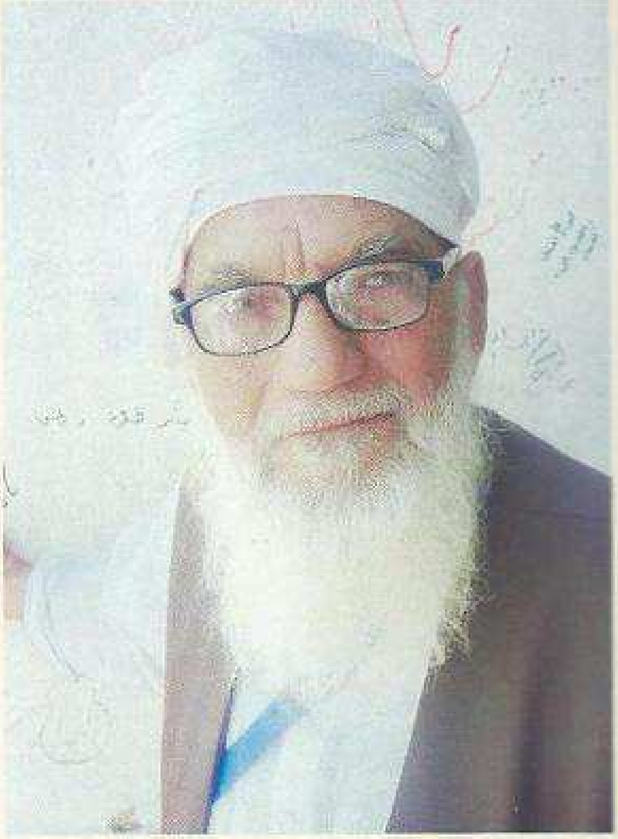






جی کردا میرا تینوں ویکھی جاواں





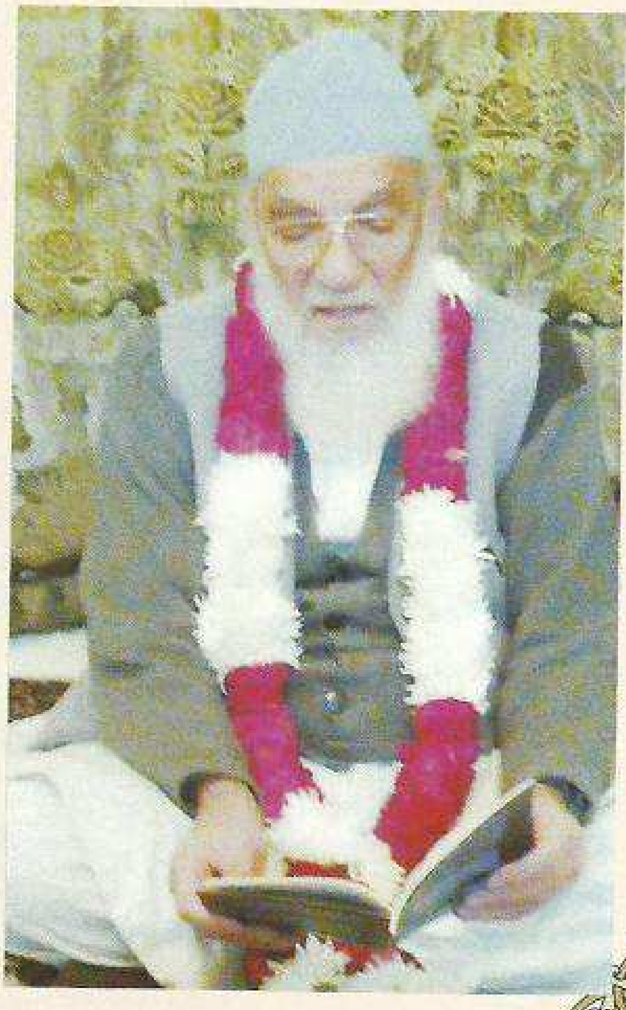




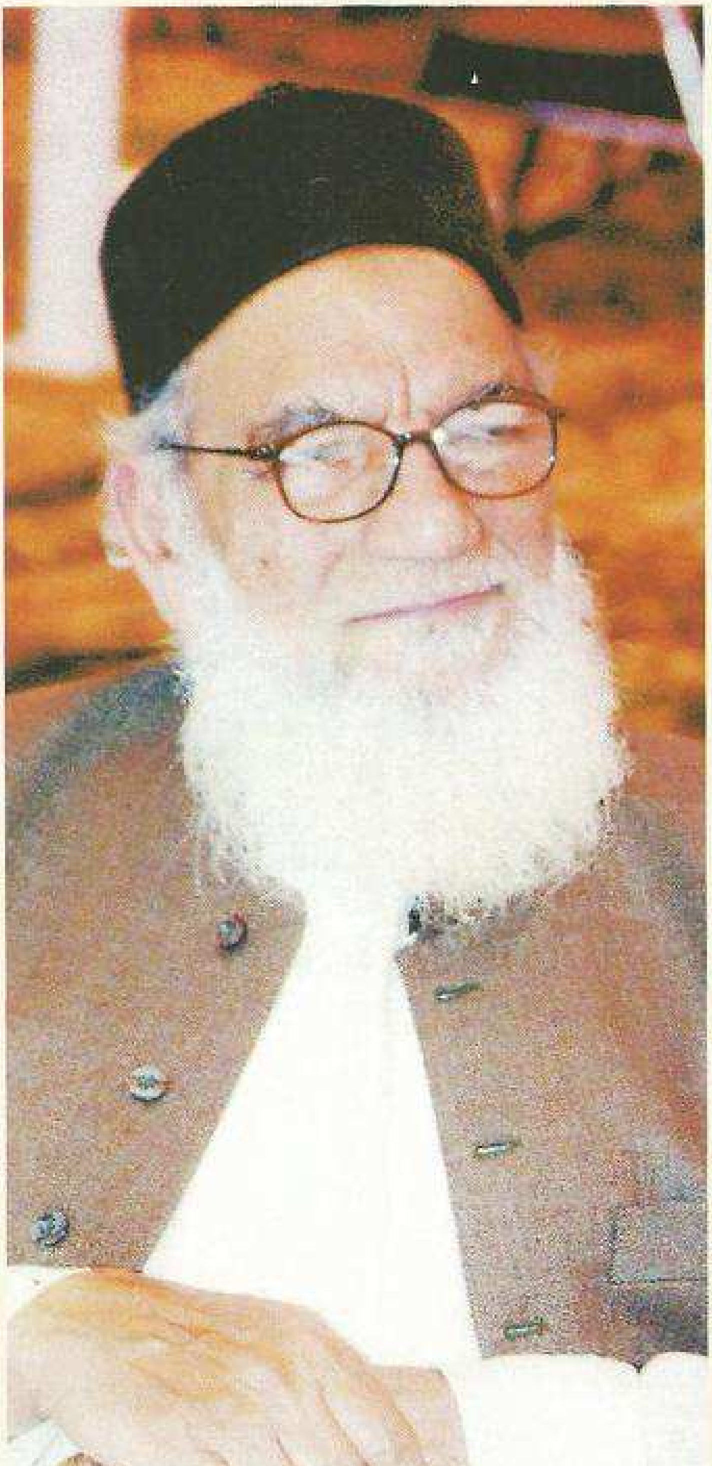
تینوں سامنے بٹھا کے تصویر بنواواں



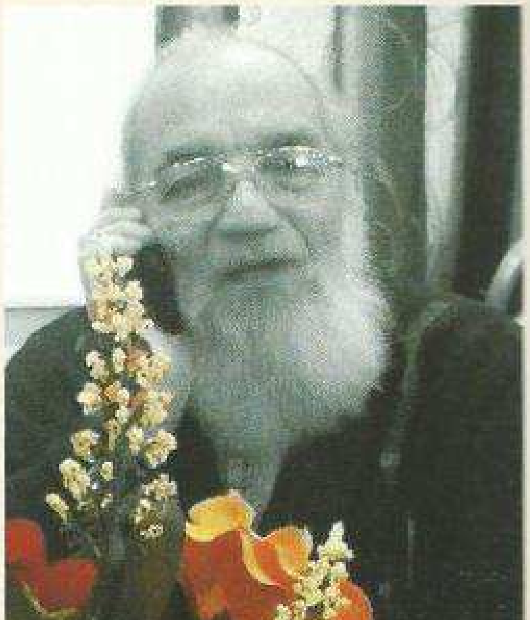




جی کردا میرا تینوں ویکھی جاواں







حضرت داتا گنج بخش مخدوم علی بن عثمان الہجویری رحمۃ اللہ علیہ



کے پیر و مُرشد کی
وصیّت

حضرت داتا گنج بخش مخدوم علی بن عثمان ہجویری رحمۃ اللہ علیہ اپنے پیر و مُرشد حضرت ابوالفضل محمد بن الحسن الختلی رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق لکھتے ہیں کہ جس دن اُن کا وصال ہوا اُس وقت آپ دمشق کے قریب ایک گاؤں "بیتُ الجن" میں تشریف فرما تھے اور آپ کا سرِ مُبارک میری گود میں تھا۔

اُس وقت اپنے کسی دوست کی طرف سے میرے دل میں کچھ رنج تھا جو انسانی خاصۂ مزاج ہے۔ آپ نے مجھے فرمایا: اے فرزند! دل کو مضبوط کرنے والا ایک مسئلہ بتاتا ہوں۔ اگر خود کو اس پر کاربند رکھو گے تو تمام رنج و فکر سے محفوظ رہو گے۔ فرمایا! ہر موقع یا واقعہ اور ہر حالت کو خواہ وہ نیک ہو یا بد، اللہ تعالیٰ ہی نے اُسے پیدا فرمایا ہے۔ لہٰذا اُس کے کسی فعل پر معترض نہیں ہونا چاہیے اور نہ دل کو رنجیدہ کرنا چاہیے۔

اس کے علاوہ آپ نے کوئی وصیت نہ فرمائی اور اپنی جاں جان آفرین کے سپرد کر دی۔

(کشف المحجوب)

فہرست مضامین

ماہیانیم و تو دریائے حیات
ہم مچھلیاں ہیں اور تو زندگی کا سمندر ہے

زندہ ایم از لطفت اے نیکو صفات
اے اچھی خوبیوں والے اللہ ہم تیری مہربانی سے زندہ ہیں

نوٹ: مثنوی مولانا رومؒ کے ان منتخب اشعار کی تفصیل صفحہ نمبر ۳۲ پر ملاحظہ فرمائیں ←

نمبر شمار	عنوان	صفحہ نمبر

ماہیانیم و تو دریائے حیات
ہم مچھلیاں ہیں اور تو زندگی کا سمندر ہے

زندہ ایم از لطفت اے نیکو صفات
اے اچھی خوبیوں والے اللہ ہم تیری مہربانی سے زندہ ہیں

فہرست اشعار

تو نگنجی در کنارِ فکرتے
نے بمعلولی قرین چوں علتے

تو فکر و خیال سے بالا ہے
نہ معلول ہونے کی وجہ سے کسی علت سے وابستہ ہے

گفت اَلَیْسَ اللّٰہُ بِکَافٍ عَبْدَہٗ
اُس نے فرمایا ہے کیا خدا اپنے بندہ کے لیے کافی نہیں ہے؟

تا نہ گردد بندہ ہر سو حیلہ جو
تاکہ بندہ ہر جانب بھٹکتا نہ پھرے

ہر کہ اُو بر حق توکّل می کُند
جو اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرتا ہے

اُو بجائے خود تفضّل می کُند
وہ خود اپنے ساتھ بھلائی کرتا ہے

اضافی رنگین صفحات

حضرت شیخ ابوسعید ابوالخیر رحمۃ اللہ علیہ

انوار العلوم کے پہلے ایڈیشن سے اب تک یعنی تقریباً پندرہ سالوں میں کتاب کی پشت پر ایک رباعی لکھی چلی آ رہی ہے۔ اس رباعی کو سب پڑھنے والوں نے بہت پسند کیا۔ یہ رباعی حضرت ابوسعید ابوالخیر رحمۃ اللہ علیہ کی ہے۔ یہ حضرت مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ کے مزار اقدس کے صدر دروازے پر بھی درج تھی۔ میں نے مناسب سمجھا کہ اس ایڈیشن میں حضرت ابوسعید رحمۃ اللہ علیہ کا مختصر تعارف بھی دیا جائے تاکہ مجھ جیسے کم علم لوگوں کو ان کی عظمت و شان کا اندازہ ہو سکے۔ مسائل تصوف سے لبریز آپ کی رباعیات کی شہرت آپ کی حیات مبارکہ ہی میں دور دور تک پھیل چکی تھی۔ آپ کی رباعیات نہ صرف آپ کے بعد آنے والے بلکہ آپ کے ہمعصر صوفیاء و مشائخ میں بھی مقبول تھیں۔

حضرت داتا گنج بخش مخدوم علی بن عثمان ہجویری رحمۃ اللہ علیہ اپنی مایہ ناز تصنیف کشف المحجوب میں حضرت شیخ ابوسعید ابوالخیر رحمۃ اللہ علیہ کا تذکرہ ان الفاظ میں فرماتے ہیں:

''حضرت ابوسعید فضل اللہ بن محمد مہنی، ائمہ متاخرین، شہنشاہ محباں، ملک الملوک صوفیاں ہیں۔ آپ سلطانِ وقت اور جمالِ طریقت تھے۔ تمام لوگ آپ سے مسخر تھے۔ کچھ آپ کے دیدار جمال سے، کچھ عقیدت سے اور کچھ قوتِ حال سے۔ آپ فنون و علوم میں نرالی شان رکھتے تھے۔ اسرار الٰہی سے مشرف حضرات میں آپ کا مرتبہ بلند تھا۔ علاوہ ازیں آپ کی نشانیاں اور براہین بکثرت ہیں اور آج بھی جہاں میں اُن کے آثار بکثرت ہیں۔

مہنہ میں ایک دن میں حضرت شیخ ابوسعید رحمۃ اللہ علیہ کے مزار پر حسب عادت تنہا بیٹھا تھا۔ ایک سفید کبوتر دکھائی دیا جو قبر کے اوپر پڑی چادر کے نیچے چلا گیا۔ میں نے خیال کیا کہ غالباً کبوتر کسی کا چھوڑا ہوا ہے۔ میں اُٹھا اور چادر اُٹھا کر دیکھا مگر وہاں کچھ نہ تھا۔ دوسرے اور تیسرے دن بھی میں نے ایسا ہی دیکھا۔ میں حیرت و تعجب میں پڑ گیا۔ یہاں تک کہ ایک رات میں نے اُنہیں خواب میں دیکھا اور اس واقعہ کی بابت اُن سے دریافت کیا۔ انہوں نے فرمایا: وہ کبوتر میرے معاملہ کی صفائی ہے جو روزانہ قبر میں میری ہم نشینی کے لیے آتا ہے۔

ایک مرتبہ حضرت ابوسعید رحمۃ اللہ علیہ نیشاپور سے طوس جا رہے تھے کہ راستے میں ایک گھاٹی اتنی سرد آئی کہ آپ کے

پاؤں ٹھنڈے ہو رہے تھے۔ ایک درویش کو خیال آیا کہ کیوں نہ میں اپنی چادر پھاڑ کر دو ٹکڑے کر کے شیخ کے پاؤں پر لپیٹ دوں۔ چونکہ چادر عمدہ اور قیمتی تھی اس لیے ٹکڑے کرنے کو دل نے گوارہ نہ کیا۔ طوس پہنچنے پر اس درویش نے حضرت ابوسعید رحمۃ اللہ علیہ سے سوال کیا اے شیخ! وسوسہ شیطانی اور الہام حق کے درمیان کیا فرق ہے؟ انہوں نے فرمایا: الہام وہ تھا کہ تجھے چادر پھاڑ کر دو ٹکڑے کر کے ابوسعید کے پاؤں پر لپیٹنے کا حکم دیا گیا تا کہ وہ سردی سے محفوظ رہیں اور شیطانی وسوسہ وہ تھا کہ جس نے تجھے ایسا کرنے سے باز رکھا۔ اس قسم کی بکثرت اور متواتر باتیں ان سے منسوب ہیں۔ مردان خدا کا یہی کام ہے۔

داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت ابوسعید رحمۃ اللہ علیہ کے خادم حسن مؤدب سے سنا کہ جب وہ حضرت ابوالحسن خرقانی رحمۃ اللہ علیہ کی زیارت کیلیے گئے تو یا تو خاموش رہتے یا پھر حسن ادب و احتیاط کے ساتھ جواب دیتے۔ میں (حسن مودب) نے ان سے دریافت کیا اے شیخ! آپ نے ایسی خاموشی کس لیے اختیار فرمائی۔ آپ نے فرمایا: ایک ہی شخص (حضرت ابوالحسن خرقانی رحمۃ اللہ علیہ) بیان کیلیے کافی ہے اور جب حضرت ابوسعید رحمۃ اللہ علیہ نے واپسی کا قصد کیا تو حضرت ابوالحسن خرقانی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: میں نے تمہیں اپنے زمانے کی ولایت اور اپنی نیابت کیلیے چن لیا۔ (کشف المحجوب)

حضرت شیخ ابوسعید ابوالخیر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''بندے اور پروردگار کے درمیان زمین و آسمان اور عرش و کرسی پردہ نہیں ہے بلکہ بندے کا غرور اور انانیت پردہ ہے۔ اس انانیت اور غرور کے پردے کو اٹھا دو پھر تم خدا تک پہنچ جاؤ گے''۔ (نفحات الانس)

آپ رحمۃ اللہ علیہ نے جمعہ کی شب میں بوقتِ عشاء بتاریخ ۴ شعبان ۴۴۰ھ بمطابق ۱۸ نومبر ۱۰۴۸ء کو وصال فرمایا اور بوقتِ وصال آپ کی عمر مبارک تراسی (۸۳) سال چار ماہ تھی۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ کا مزارِ اقدس ایران کے صوبہ خراسانِ رضویہ کے شہر مہنہ میں ہے۔

از پئے آں گفت حق خود را علیم
اسی لیے حق نے خود کو ''علیم'' (جاننے والا) کہا

تا نیندیشی فسادے تو زبیم
تا کہ تو ڈرے اور برائی نہ سوچے

مقامِ مثنوی مولوی معنویؒ

صاحبِ مثنوی مولانا جلال الدین محمد رومیؒ کی نظر میں

حضرت مولانا جلال الدین محمد رومی رحمۃ اللہ علیہ اپنی شہرہ آفاق تصنیف مثنوی کے متعلق (مثنوی میں) فرماتے ہیں:

میں نے قرآن پاک میں سے مغز نکال کر مثنوی میں پیش کر دیا ہے اور اُن احکامات پر بحث نہیں کی کہ جن کو علمائے سُوء نے بحث کا موضوع بنا کر جھگڑے اور تفرقے ڈال دیئے۔ میں نے عشق کی بدولت معرفت کا تیر سیدھے نشانے یعنی دلوں پر مارا ہے۔

چھ دفتروں میں مثنوی کی ایک ہی آواز ہے اِس کا خلاصہ فنا کے سمندر میں غوطہ لگانا ہے۔ مثنوی کو پڑھنے والا انسان اگر فقر کے کمال کو نہ بھی پہنچے پھر بھی شیطان کے ہتھ کنڈوں سے ضرور محفوظ ہو جاتا ہے۔

اے بھائی! کام کے آدمی کے لیے یہ کہانی نہیں ہے۔ اُسے اچھی حالت اور دوست کے دربار کی حاضری درکار ہے۔

ظاہری علماء میں دین کی حقانیت نہیں رہی۔ وہ اچھی حالت اور دوست کے دربار کی حاضری جیسے انعامات سے محروم ہیں۔

میں جو یہ قصے بیان کر رہا ہوں۔ یہ گزشتہ لوگوں کے لیے نہیں ہیں بلکہ تمہارے اپنے احوال ہیں۔ اِن قصوں کا مقصد رجوع الی اللہ ہے۔ اِن کو وہ قصے کہانیاں نہ سمجھو جن سے میں روک رہا ہوں۔ منافقوں نے قرآن کو بھی محض پچھلے لوگوں کی کہانیاں قرار دیا اور اِن قصوں کا جو اصل مقصود تھا اُسے نہ سمجھا۔ یہی حال میری کتاب کا ہے۔ قرآن ایک صفتِ خداوندی ہے جو زمان و مکان سے بالاتر ہے۔ وہاں ماضی اور مستقبل نہیں ہے بلکہ وہ ہر زمانے کے لیے ہے۔

اگر مثنوی جیسی کتاب کو بھی تُو بے کار سمجھ کر پڑھے گا تو اِس سے کوئی نصیحت حاصل نہ کر سکے گا' اِس کے مغز تک نہ پہنچ سکے گا۔ اُس شخص کے مغز کی یہ حالت ہوگی جیسے کوئی معشوق سر اور مُنہ پر چادر تانے لیٹا ہو' تو ظاہر بین اُس کے حُسن کو نہ دیکھ سکے گا۔ منکر اپنے تکبر کی وجہ سے شاہنامہ فردوسی' کلیلہ و دمنہ اور مثنوی کو یکساں سمجھتا ہے۔ حقیقت اور مجاز کو انسان جب ہی سمجھتا ہے جب اُس کو بصیرت حاصل ہو۔ محض جی بہلانے کے لیے قرآن کی تلاوت کرنا بھی اپنے آپ کو قرآنی حقائق سے محروم رکھنا ہے۔ محض وقت کاٹنے کے لیے تو قرآن اور افسانہ یکساں کام کرتا ہے۔

حق تعالیٰ عادل ست و عادلاں — کے کنند استمگری بر بے دلاں

حق تعالیٰ عدل کرنے والا ہے اور عادل — کمزوروں پر کب ظلم کرتے ہیں

جو اِس مثنوی کو افسانہ سمجھے وہ خود افسانہ اور مہمل ہے۔ایک چیز دو شخصوں کے اعتبار سے دو جداگانہ حکم رکھتی ہے۔دریائے نیل حضرت موسیٰ علیہ السلام کے لیے پانی تھا اور قبطیوں کے لیے خون۔اُسی طرح یہ مثنوی بعض لوگوں کے لیے افسانہ ہے اور بعض کے لیے گنجینۂ معرفت۔جس طرح چاند کا نور اجسام پر پڑتا ہے اِسی طرح مثنوی کا نور اَرواح پر پڑ رہا ہے۔جو اصحابِ بصیرت ہیں وہ دیکھ رہے ہیں کہ مثنوی کے بیانات منجانب اللہ ہیں۔یہ بظاہر مزاحیہ اور افسانوی باتیں ہیں لیکن تُو اُن سے نتائج نکال لے۔یہ قصے بے کار نہیں ہیں۔

جس طرح قرآن سے کج فہم گمراہ ہوتے ہیں اِسی طرح مثنوی سے بھی ہو سکتے ہیں۔اِس میں قرآن کا قصور نہیں ہوتا بلکہ اُن کی کور باطنی کا قصور ہے۔مجھے مثنوی پر اعتراضات کا عقلاً کوئی رنج نہیں ہے۔میں اعتراضات کا جواب بھی نہ دیتا مگر صرف اِس لیے دیتا ہوں کہ اعتراض کرنے والوں کی دولتیاں سادہ دل لوگوں کو گمراہ کر دیں گی۔مثنوی کے اعلیٰ مضامین تک لوگوں کی رسائی نہیں ہے۔اِس لیے جنگ و جدل میں مبتلا ہو گئے ہیں۔حکیم سنائی غزنوی رحمۃ اللہ علیہ کے بقول "یہ لوگ نورِ معرفت سے محروم ہیں"۔اُن کی پہنچ قرآن کے صرف الفاظ تک ہے۔یہ معترضین کہتے ہیں کہ "مثنوی میں ابواب اور فصول قائم کر کے تصوف کے مراتب کا ذکر ہونا چاہیے تھا تاکہ سالک کے لیے ہر منزل اور مقام کی نشان دہی ہوتی۔یہ تو ایک گورکھ دھندہ معلوم ہوتی ہے"۔جب اللہ کی کتاب آئی تو اُس پر بھی لوگوں نے اِسی طرح کے اعتراض کیے تھے کہ پرانی کہانیاں اور افسانے ہیں۔

میری مثنوی کی باتیں اگر اب تمہیں سمجھ میں نہیں آ رہی ہیں تو آئندہ نسلوں میں ایسے لوگ ہوں گے جو یہ اَسرار بیان کر سکیں گے۔اُن کے اقوال کی تصدیق میری مثنوی سے ہوگی۔جس طرح اُس نوجوان نے خدا سے بغیر محنت روزی طلب کی تھی تم بھی کرو۔ایک وقت ایسا آئے گا کہ تمہیں بغیر کسی واسطے کے فیضِ خداوندی حاصل ہونے لگے گا۔

مثنوی کے مضامین کلمات اللہ ہیں اور اُن کے بارے میں قرآن میں یہی کہا گیا ہے۔جب تک یہ دنیا قائم ہے اور زمین ہے اُس سے اینٹیں تھپتی رہیں گی اُس وقت تک مثنوی کے اشعار بھی دستیاب رہیں گے۔جب یہ روئے زمین ختم ہو جائے گی اور قیامت کے دن کی ہوائیں اس کو تہ و بالا کر دیں گی تو مثنوی یعنی کلمات اللہ کا سمندر جوش مارے گا اور عالمِ آخرت میں ایک زمین اپنے لیے بنا لے گا۔چونکہ کلمات اللہ لامحدود ہیں لہٰذا مثنوی کی باتیں بھی لامحدود ہیں۔اِن کو بیان کیے جاؤ کوئی تنگی نہیں آئے گی۔

پیشِ سُبحاں پس نگہدارید دل
(اللہ) پاک ذات کے سامنے، دل کی حفاظت کرو

تا نگردید از گمانِ بد خجل
تاکہ بدگمانی کر کے شرمندہ نہ ہونا پڑے

میرے پاس جو مضامین تھے وہ میں نے اپنے پیر بھائیوں تک پہنچا دیئے۔ میرا یہ کلام بارگاہِ خداوندی کی سیڑھی ہے۔ جو اس کے ذریعے اوپر جائے گا' چھت پر پہنچ جائے گا۔ آسمان کی چھت پر ہی نہیں بلکہ اُس آسمان سے بھی اوپر والی چھت پر اور جس کے لیے سامان گردوں کی چھت سے آتا ہے اور اُسی خواہش سے اُس کی گردش ہمیشہ جاری رہتی ہے۔

جس طرح ستاروں سے ہر شخص رہنمائی حاصل نہیں کرسکتا اِسی طرح مثنوی سے بھی ہر شخص مُستفید نہیں ہوسکتا لیکن اگر مثنوی سے شغل رکھو گے تو شیطان سے ضرور نجات حاصل کرلو گے۔ مثنوی کی باتیں شہابِ ثاقب ستاروں کی طرح ہیں جو شیطانوں پر برستے ہیں۔ ستاروں کے بُرج بچھو کی طرح کام کرتے ہیں اور شیطانوں کو ڈنک مارتے ہیں۔ مثنوی کا سورج طلوع کر آیا ہے۔ جس کی روشنی پھیل گئی ہے لیکن منکر کو یہ بھی ناگوار ہے۔ عداوت کی وجہ سے دشمن شہد اور دودھ کو بھی زہر سمجھتا ہے۔ یہ شہد اور زہر ہونا مثنوی ہی کی خصوصیت نہیں ہے بلکہ ہر اچھی چیز کا یہی حال ہے۔ حضرت عُمر ﷛ کے لئے اُن کے فاروقی تریاق کی وجہ سے مخالفین کا زہر قند بن گیا تھا اِس لئے اُن کے لئے وہ زہر مُضر نہ رہا۔ وہی تریاقِ فاروقی اگر تُو حاصل کرے گا تو تُو بھی اپنے زمانے کا فاروق بن جائے گا۔

مثنوی صرف توحید کی دُکان ہے توحید کے مضامین کے علاوہ جو کچھ مذکور ہے وہ بُت ہے۔ عوام جب غیر توحیدی مضامین سنتے ہیں تو متوجہ ہو جاتے ہیں۔ ساتھ ہی ساتھ توحیدی مضامین بھی سننے کا اُن کو موقع مل جاتا ہے۔

یاد رکھو! نگاہ ہمیشہ باطن پر رکھو، اگر ایسا کرو گے تو شاہ ہو ورنہ گمراہ ہو۔ الفاظ کو جسم اور اُس کے معانی کو رُوح سمجھو۔ جسمانی آنکھ صرف جسم کو دیکھتی ہے لیکن رُوحانی آنکھ کی نظر رُوح پر ہی پڑتی ہے۔ یہی حال مثنوی کا ہے' جو اِس کی کہانیوں کی طرف دیکھے گا تو صرف لفظوں کو دیکھے گا اور بدعقیدہ ہو جائے گا اور جو حکایتوں کے مقاصد پر غور کرے گا وہ اُن سے خوب فائدہ اُٹھائے گا۔

انوارُ العلوم

کا سفر۔۔۔ خوب سے خوب تر کی تلاش!

الحمدللہ انوار العلوم کا ڈیلکس ایڈیشن آپ کے ہاتھوں میں ہے۔ یہ چودھواں ایڈیشن بمثل چودھویں کا چاند ہے۔ انوار العلوم کے پہلے ایڈیشن سے ہی یہ کوشش رہی کہ اس کا معیار بہت عمدہ ہو۔ کبھی بھی بوجہ مہنگائی معیار پر سمجھوتہ نہیں کیا۔ اسی خوب سے خوب تر کی تلاش میں کمپیوٹر کمپوزنگ اور سائز وغیرہ کو ۲ مرتبہ تبدیل کیا۔ قارئین کے ذوق کی تسکین کیلئے کچھ معلوماتی مضامین بھی شامل کئے لیکن پھر بھی کچھ جدت کرنے کی خواہش زور پکڑتی گئی۔

نہم ایڈیشن (اپریل 2009ء) میں "تعارف کتاب وصاحب کتاب" میں اپنی اس خواہش کا اظہار کچھ یوں کیا تھا کہ "اللہ کریم کو منظور ہوا تو خوبصورت ودیدہ زیب پرنٹنگ والا ایک ایسا "ڈیلکس ایڈیشن" چھاپنے کا ارادہ ہے جو کہ باطنی کمالات کے ساتھ ساتھ ظاہراً بھی آرٹ کا ایک باکمال نمونہ ہو"۔

پھر ڈیلکس ایڈیشن کا ایک مبہم سا خاکہ ذہن میں ابھرا اور حضرت قبلہ کی اجازت سے اس پر کام شروع کر دیا۔ جوں جوں آگے بڑھتے گئے نئے نئے تخلیقی خیالات ذہن میں آتے گئے۔ اس کی تیاری میں تقریباً چار سال کا عرصہ لگا۔ قطرے کو گہر ہونے تک کا یہ عرصہ ایک کٹھن امتحان تھا جو کہ حضرت قبلہ کی محبتوں اور شفقتوں کے سہارے بخیر وخوبی گزر گیا۔ اسی دوران ایڈیشن چھپتے رہے۔ اب اللہ تبارک وتعالیٰ کے فضل وکرم سے چودھواں اور ڈیلکس ایڈیشن آپ کے ہاتھوں میں ہے۔ اللہ کے گھر سے پوری امید ہے کہ اہل ذوق حضرات کی طرف سے سراہا جائے گا۔

اس ایڈیشن کی اضافی محاسن وخوبیاں کچھ یوں ہیں:

مثنوی مولانا رومؒ کے منتخب اشعار اس ایڈیشن کی سب سے قابل ذکر بات مثنوی مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ کے منتخب اشعار ہیں۔ مثنوی کے کل اشعار کی تعداد تقریباً ستائیس ہزار (26,666) ہے ان میں سے تقریباً 900 منتخب اشعار بمعہ ترجمہ ریاض اعظمی صاحب کی خوبصورت ودیدہ زیب خطاطی میں پیش کئے جا رہے ہیں۔ ان اشعار کے مطالعہ کے دوران درج ذیل نکات ذہن میں رہنے چاہئیں۔

نیست اینہا بر خدا اسمِ علم
اللہ کے یہ نام صرف شناخت کیلئے نہیں ہیں

کہ سیہ کافور دارد نام ہم
ویسے ہم تو کالے حبشی کا نام کافور (سفید خوشبو) رکھتے ہیں

- یہ اشعار مثنوی کے تمام دفاتر سے لیے گئے ہیں۔ یہ ایسے اشعار ہیں جو کہ دل پر فوراً اثر انگیز ہوتے ہیں۔ یا یوں کہہ لیں کہ یہ اشعار دل کی گہرائیوں میں اترتے ہوئے محسوس ہوتے ہیں۔ (اگرچہ مثنوی کے بیشتر اشعار میں یہ تاثیر پائی جاتی ہے)
- ان کی ایک اور خصوصیت یہ ہے کہ ایک یا دو اشعار میں ہی مضمون مکمل ہو جاتا ہے یعنی دریا کوزے میں بند ہونے والا معاملہ ہے۔
- یہ اشعار جس صفحے پر بھی ہوں، ان کا اُس صفحے پر تحریر حکایات یا مضامین سے کوئی تعلق یا ربط نہیں ہے۔
- ان کا ترجمہ حضرت قبلہ محمد عالم امیری مدظلہ نے کیا ہے۔ یہ ترجمہ صرف ان قارئین کے لیے ہے جو کہ میری طرح فارسی سے نابلد ہیں۔ یہ نہ تو لفظی ترجمہ ہے اور نہ ہی با محاورہ بلکہ اس شعر کی ترجمانی ہے۔ ترجمے کی تمام بندشوں سے ہٹ کر کوشش کی گئی ہے کہ شعر میں پنہاں مولانا روم ؒ کا پیغام پڑھنے والے تک آسان و پر اثر انداز میں پہنچ جائے۔
- ان تمام اشعار کو بلحاظ موضوع ترتیب دیا گیا ہے۔ کوشش ہے کہ ایک ہی موضوع کے اشعار یکے بعد دیگرے سامنے آتے جائیں۔ ان تمام موضوعات کی ایک فہرست بھی دی جا رہی ہے تا کہ موضوع کے اعتبار سے اشعار ڈھونڈنے میں آسانی رہے۔ یہ اشعار جہاں فارسی سے آشنا قارئین کیلئے لذت ذوق کا سبب ہیں وہیں مجھ جیسے فارسی سے معمولی واقفیت رکھنے والوں کیلئے بھی فارسی آشنائی کا ذریعہ ہیں۔
- انوار العلوم کے پہلے ایڈیشن سے ہی قارئین کی طرف سے تواتر سے یہ فرمائش آ رہی تھی کہ اگر اس میں فارسی اشعار کو بھی شامل کر دیا جاتا تو بہت خوب ہوتا لیکن میرا یہ موقف رہا ہے کہ اول تو فارسی پڑھنے سمجھنے والوں کی تعداد نہایت قلیل ہے اور اگر فارسی کو شامل اشاعت کیا جاتا ہے تو کتاب کی ضخامت و قیمت کافی بڑھ جاتی ہے۔ جبکہ انوار العلوم بنیادی طور پر فارسی سے ناآشنا لوگوں میں حضرت مولانا جلال الدین محمد رومی ؒ کے پیغام کو عام کرنے کی ایک کوشش ہے۔ موجودہ ایڈیشن میں یہ منتخب اشعار نہ صرف فارسی کی ترویج و ترقی کی ایک جاندار کوشش ہے بلکہ اہل ذوق حضرات کیلئے ایک قیمتی و نایاب تحفہ بھی ہے۔

اشعار کا انتخاب، ترجمہ، خطاطی، پروف ریڈنگ، ترتیب بلحاظ موضوعات اور کمپیوٹر گرافک کی مدد سے Setting کرنا،

اسمِ مشتق ست زاوصافِ قدیم
اللہ کے یہ نام اس کی قدیم صفات کی وجہ سے ہیں

نے مثالِ علتِ اُولیٰ سقیم
ہماری طرح نہیں کہ جاہل کا نام چراغ دین رکھ دیں

چار سال سے زائد کے عرصہ پر محیط یہ سارے مراحل' انتھک اور اعصاب شکن تھے۔ لیکن ہر ہر مرحلے میں حضرت قبلہ کی عنایتوں اور شفقتوں کا سہارا رہا۔ آپ نے نہایت غور وفکر اور توجہ سے اشعار کا ترجمہ کیا اور اغلاط کی تصحیح تو بہت ہی باریک بنی سے کرتے رہے۔ اس معاملے میں حضرت قبلہ زیر زبر پر بھی سمجھوتہ نہیں کرتے۔ آپ فرماتے ہیں کہ دوران مطالعہ سامنے آنے والی اغلاط میری طبیعت پر بہت گراں گزرتی ہیں۔ (انتہائی احتیاط کے باوجود بھی جو اغلاط آپ کی نظر سے گزریں براہ کرم اگلی اشاعت میں تصحیح کیلئے مطلع فرمائیں)

اب قلم کی نوک پر حضرت قبلہ کا ذکر آ گیا ہے تو قلم کہتا ہے کہ کیوں نہ اس رانجھن کے مدھ بھرے ذکر کے تار چھیڑے جائیں جو ہماری روحوں کے چرواہے' ہماری بے قراریوں کا قرار' ہماری آنکھوں کی ٹھنڈک' ہمارے دل وجان کے شاہ اور ہمارے آقائے نعمت ہیں۔

میرے آقائے نعمت

ڈیلکس ایڈیشن کے تخیل سے کتابی شکل میں آنے کے عمل میں بہت سے طویل و پیچیدہ مراحل سے گزرنا پڑا۔ میں اکثر ان پیچیدگیوں سے پریشان ہو کر گھبرا جاتا' تھک جاتا' لیکن حضرت قبلہ اس کا ایک ایک لفظ شگفتگی وتازگی سے چیک کرتے رہے اور اپنی رہنمائی سے نوازتے رہے۔

میرے حضرت قبلہ ماشاء اللہ 85 برس کے ہیں۔ ماسوائے بیماری ہمیشہ ان کو تروتازہ پایا۔ ان کا جسم کبھی بھی موٹاپے کا شکار نہیں ہوا لیکن اب نارمل سے بھی دبلا ہوتا جارہا ہے۔ ان سب کے باوجود ان کا اٹھنا بیٹھنا' چلنا پھرنا ایک خوشگوار لطافت و تازگی کا احساس لیے ہوئے ہے۔ پیدل چلتے ہیں تو جسم بالکل سیدھا' دونوں پاؤں پر برابر وزن' اس قدر آرام دہ طریقے سے جیسے ان کے لئے کشش ثقل ختم ہو گئی ہو۔ محفل میں دوزانو بیٹھتے ہیں تو ایک آرام اور لطافت کا احساس لیے ہوئے۔ نماز پڑھتے ہیں تو تمام ارکان کو اچھے واحسن طریقے سے مکمل کرتے ہیں۔ میں نے بہت کم لوگوں کو رکوع و سجود اس قدر آرام دہ طریقے سے ادا کرتے دیکھا ہے۔ وگرنہ اکثر یہی دیکھا گیا ہے کہ بشمول میرے رکوع وسجود میں تھکن وتکلف نظر آتا ہے۔ ہم ایک بوجھیلے پن سے ارکان نماز ادا کرتے ہیں۔

ویسے تو ہمارے سلسلہ عالیہ میں حال ایک خاص کیفیت کو کہتے ہیں جو کہ سالک پر بوجہ رحمت خداوندی وارد ہوتی ہے۔ میں نے ایک دانشور کی تحریر میں حال کی تعریف یہ پڑھی کہ "انسان جو بھی عمل کر رہا ہو اس میں مگن ہو نہ کہ اس عمل کے دوران ماضی و مستقبل کے تصورات میں گم ہو جیسے کہ ہم کسی خوشی کے فنکشن کو انجوائے کرنے کی بجائے فوٹو گرافی پر زور دیتے ہیں

کُلَّ اِصْبَاحٍ لَنَا شَانٌ جَدِیْدٌ
ہر صبح کو میری نئی شان ہوتی ہے

کُلُّ شَیْءٍ عَنْ مُرَادِیْ لَایَحِیْدُ
کوئی چیز کبھی میری مرضی سے انحراف نہیں کر سکتی

کہ مستقبل میں ان تصاویر کو دیکھ کر ماضی کی یاد تازہ کریں گے"۔ حال کی مندرجہ بالا تعریف کے مطابق بھی میرے حضرت کو آپ جب بھی دیکھیں گے وہ حالت حال ہی میں ہوں گے۔ اگر وضو کر رہے ہوں تو نہایت یکسوئی واطمینان سے سنن و فرائض مکمل کرتے ہیں۔ آپ کو وضو کرتے دیکھنا ذوق و ایمان تازہ کر دیتا ہے۔ وضو وہ کر رہے ہوتے ہیں اور باطنی طہارت دیکھنے والے کی ہوتی ہے۔ وضو فرماتے ہوئے ان کی توجہ گردو پیش سے کٹ کر مکمل طور پر ارکان وضو پر مرکوز ہوتی ہے۔ اگر وضو میں آپ کی یکسوئی کا یہ عالم ہے تو حالت نماز کا عالم کیا ہوگا۔ محفل میں مسند نشین ہیں تو توجہ صرف محفل اور حاضرین محفل کی طرف ہے۔ محفل میں پڑھے جانے والے کلام کے مطابق ردعمل دے رہے ہوتے ہیں۔ مریدین کے ظاہر و باطن پر توجہ ہوتی ہے۔ سب کے ذوق کا خیال رکھتے ہیں۔ ہشاش بشاش مجسم نور دکھائی دیتے ہیں۔ کبھی دست بوسی کرنے والے کے سر پر ہاتھ رکھتے ہیں اور کبھی گالوں کو تھپتھپاتے ہیں۔ ان کا یہ لمس برسوں تر و تازہ رہتا ہے۔ اس وقت واضح طور پر یہ احساس ہوتا ہے کہ ان کی جسمانیت ختم ہو چکی ہے۔ اب نور کے ہالے میں ایک پاکیزہ روح تشریف فرما ہے۔

محفل کے علاوہ بھی ان کی باتوں میں یہی تازگی ہوتی ہے۔ جب وہ پیار و شفقت سے دیکھتے ہیں تو ایک لطیف احساس رگ و پے میں اترتا محسوس ہوتا ہے۔ جب بھی ان کی خدمت میں حاضری کی سعادت حاصل ہوئی تو ایک تبسم کے ساتھ بھرپور نظر ڈالتے ہوئے دعا و سلام کیلئے جب ان کے لب وا ہوتے ہیں اور سر پر دست شفقت رکھتے ہیں' تو یقین جانئے سب رنج و غم اور تھکن غائب ہو جاتی ہے (الحمد للہ میرے حضرت قبلہ کے سب مریدین و مخلصین کے یہی خیالات و احساسات ہوتے ہیں) ہر ایک کو اس کی طبیعت کے مطابق ملتے ہیں۔ کبھی کسی پر کوئی پابندی مسلط نہیں کی بلکہ ان کے حلقہ اثر میں رہنے والے خود ہی انکے رنگ میں رنگے جاتے ہیں۔ ان کی مقناطیسی شخصیت قلوب و اذہان اور خیالات و احساسات کو غیر محسوس طریقے سے بدل کر رکھ دیتی ہے۔

روحانی طاقت' منصب اور اتھارٹی رکھنے کے باوجود کبھی یہ نہیں دیکھا کہ ماتھے پر تیوریاں ہوں اور زبان پر طنز و تشنیع کے تیر اور مریدین کہہ رہے ہوں کہ ہمارے حضرت بہت جلالی ہیں۔ غصہ حضرت قبلہ کو بھی آتا ہے لیکن بہت کم اور ضبط کی حد میں رہتے ہوئے۔ ہمیشہ روشن و مثبت پہلو کو دیکھتے اور دیکھنے کی تلقین کرتے ہیں۔ ان کی تربیت یہی ہے کہ آدھے گلاس پانی کو آدھا خالی نہیں بلکہ آدھا بھرا ہوا دیکھو بشرطیکہ معاملہ کسی اور کا ہو اور اگر اپنی ذات یا خود بینی کا معاملہ ہو تو آدھے خالی گلاس کی طرف توجہ دینی چاہئے۔ ہر وقت اپنی کمی' کوتاہی کی درستگی کی طرف توجہ ہونی چاہئے نہ کہ دوسروں کی عیب جوئی کی طرف۔

انوار العلوم

اکثر دیکھا گیا کہ کوئی میرے جیسے سطحی علم والا آپ کی خدمت میں حاضر ہے اور اپنے علم و عقل کے مطابق گفتگو کر رہا ہے اور آپ نہایت انہماک سے اس کی باتوں کی سماعت فرما رہے ہوتے ہیں۔ اس کو نہ تو ٹوکیں گے اور نہ ہی اس موضوع پر کوئی ایسی علمی گفتگو فرمائیں گے کہ جس سے اس کو اپنی کم علمی کا احساس و شرمندگی ہو۔ حالانکہ اکثر صاحبان علم کا یہ خاصہ ہوتا ہے کہ جہاں دو بندے دیکھے بلکہ اگر ایک بندہ بھی ان کے ہتھے چڑھ گیا تو اپنے علم کے دریا بہا دیتے ہیں تاکہ مخاطب پر ان کے علم کا رعب پڑ سکے۔ میں اکثر سوچتا ہوں کہ میرے جیسے کم علم شخص کا خاموش رہنا تو سمجھ میں آتا ہے لیکن حضرت قبلہ جو کہ اسلام، تاریخ، جغرافیہ، لسانیات، میڈیکل و سائنس کا قابل ذکر علم رکھتے ہیں، وہ اکثر خاموش کیوں رہتے ہیں۔ اگر کسی نے کوئی سوال کیا تو سوال کا جواب سائل کی ذہنی استطاعت کے مطابق دیتے ہیں نہ کہ اپنی فصاحت و بلاغت کے دریا بہا دیتے ہیں۔

الحمدللہ! حضرت قبلہ کا صدقہ اللہ کریم ہم پر سے مشکلات آسان فرما دیتے ہیں لیکن پھر بھی اگر ہم میں سے کوئی بیماری یا پریشانی میں مبتلا ہو تو آپ نہ صرف دعا فرماتے ہیں بلکہ دلجوئی کے لئے رابطہ رکھتے ہیں۔ ہماری چھوٹی چھوٹی خوشیوں پر ہم سے زیادہ خوشی کا اظہار فرماتے ہیں۔

اکثر و بیشتر مشہور شخصیات کے معاملے میں یہ دیکھنے میں آتا ہے کہ اُن کے گھر والے، محلہ دار اور قریبی لوگ ان کے بارے میں کچھ اچھے تاثرات نہیں رکھتے۔ اس کی وجہ ان کی دوہری شخصیت یا ان کی ذات میں موجود تضادات ہوتے ہیں، جن کو صرف قریبی لوگ ہی جان پاتے ہیں۔ الحمدللہ ہمارے حضرت قبلہ کو نہ صرف اپنے گھر میں عزت و تکریم اور محبت ملتی ہے بلکہ تمام محلہ دار بھی عزت و محبت سے پیش آتے ہیں۔ مسجد میں ہر نماز کے بعد سب چھوٹے بڑے نمازی آپ سے مصافحہ و دست بوسی کرنے میں خوشی محسوس کرتے ہیں۔

آپ فرماتے ہیں کہ ''ایک عرصہ سے مجھے کچھ خاص پکوان کھانے اور لباس پہننے کی خواہش نہیں ہوئی، جو مل جاتا ہے الحمدللہ''۔ روپے پیسے کی حرص ایک ایسی علت ہے جس سے بہت کم علماء و مشائخ محفوظ ہوتے ہیں۔ دین و مذہب اور روحانیت کے نام پر روپیہ پیسہ جمع کرنے اور جائیداد بنانے کی حرص بڑھتی چلی جاتی ہے۔ میرے حضرت قبلہ کو اگر کسی نے محفل یا عرس کے لنگر میں حصہ ڈالنے کیلئے کوئی نذر پیش کی تو آپ کی کوشش ہوتی ہے کہ وہ نذر فوری طور پر اپنے خادم خاص محترم سید عامر علی کے سپرد کر دیں۔ اگر انوار العلوم کی مد میں کچھ ہو تو میرے سپرد کر دیتے ہیں۔ اگر ہم دونوں میں سے کوئی

موجود نہ ہو تو وہ رقم اماں جی کے سپرد کر دیں گے کہ جب عامر صاحب آئیں تو ان کو دے دیں۔ سالانہ عرس مبارک خواجہ غریب نواز رحمۃ اللہ علیہ کے موقع پر سب سے پہلے آپ اپنی پنشن سے ایک معقول رقم عامر بھائی کے سپرد فرما دیں گے کہ یہ عرس پاک میں میرا حصہ ہے اور اگر مزید ضرورت ہو تو بتا دینا۔

میرے حضرت قبلہ کے روحانی تصرفات اور کشف و کرامات کے بہت سے واقعات ہیں لیکن میرے پیش نظر ہمیشہ یہی بات رہی ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ میں مکارم اخلاق کی تکمیل کیلئے آیا ہوں اور تم میں سے سب سے بہتر وہ ہے جس کا اخلاق سب سے اچھا ہے۔ میرے حضرت نمود و نمائش سے انتہا درجہ کا پرہیز فرماتے ہیں۔ سادہ لباس اور سادگی کا پیکر ہیں۔ کسی بھی تقریب میں خود کو نمایاں کرنے کی کوشش نہیں فرماتے۔ یہ اور بات ہے کہ ہزار افراد بھی تقریب میں موجود ہوں تو مرکز نگاہ آپ ہی ہوتے ہیں۔ ہر چھوٹے بڑے' امیر غریب سے عاجزی و انکساری سے پیش آتے ہیں۔ اب جبکہ سلسلہ عالیہ اور انوار العلوم کے حوالے سے آپ کے جاننے' ماننے اور چاہنے والے دنیا کے ہر گوشے میں موجود ہیں۔ مشائخ عظام' علمائے کرام اور ادیب حضرات آپ سے غائبانہ عقیدت و محبت رکھتے ہیں اور ملنے کے خواہشمند ہیں لیکن حضرت قبلہ کی شہرت کے نقطہ نظر سے راہ رسم بڑھانے کی قطعاً کوئی خواہش دیکھنے میں نہیں آتی۔ ماسوائے سلسلہ عالیہ کی محافل' ہر قسم کے مذہبی جلسوں یا ادبی تقریبات سے معذرت فرما لیتے ہیں۔ اگر چاہیں تو اخبارات و رسائل کے ادبی ایڈیشنز اور میڈیا پر نمایاں ہو سکتے ہیں۔ شہرت کبھی بھی میرے حضرت کا مطمع نظر نہیں رہی البتہ پھر بھی شہرت آپ کے تعاقب میں ضرور نظر آتی ہے۔

مجھے نثر لکھنے کا سلیقہ نہیں اور شاعری سے تو دور کا بھی واسطہ نہیں ہے۔ لیکن پھر بھی ہمیشہ سے خواہش رہی ہے کہ کاش میں اپنے حضرت کی روزمرہ زندگی کو تفصیل سے نثری یا شعری صورت میں لکھتا۔ مالک کے گھر سے امید ہے کہ میری یہ خواہش کوئی خوش قسمت پایۂ تکمیل تک پہنچا دے۔

یہ ختم نہ ہونیوالی باتیں ان الفاظ کے ساتھ پھر کسی وقت کیلئے ادھوری چھوڑتا ہوں۔

ذکر تیرے توں یار طبیاں اُک دیاں نئیں
ساہ مُک جانے گلاں تیریاں مُک دیاں نئیں

یَا کَرِیْمَ الْعَفْوِ حَیٍّ لَمْ یَزَلْ
اے کریم ہمیشہ زندہ مجل معافی والے!

یَا کَثِیْرَ الْخَیْرِ شَاہِ بے بدل
اے بہت زیادہ خیر والے شاہِ بے بدل!

تذکرہ ہو رہا تھا ڈیلکس ایڈیشن کی اضافی محاسن خوبیوں کا۔ تو اب اس ایڈیشن کی اگلی خوبی کی طرف چلتے ہیں۔

حکایات کے عنوانات

انوار العلوم میں موجود حکایات و دیگر مضامین کے تقریباً 700 عنوانات کی خطاطی بھی ریاض اعظمی امیری صاحب کے قلم کی خوبصورتی و رعنائی کا نتیجہ ہے۔ عنوانات کی تھوڑی بہت تراش خراش بھی کی گئی ہے۔

فی زمانہ تو کتابت کا کام کمپیوٹر کمپوزنگ سے ہو رہا ہے لیکن جو خوبصورتی و انفرادیت خطاطی سے پیدا ہوتی ہے اس کا کوئی جواب نہیں۔ یہ بھی ایک بہت بڑی اسائمنٹ تھی جو کہ تقریباً چار سال لے گئی۔ یہ پل صراط بھی حضرت قبلہ کی ذاتی توجہ اور شفقت سے پار ہوا۔ اس وقت مارکیٹ میں شائد ہی کوئی کتاب ہو جس میں خطاطی کا اس قدر طویل اور دلکش سلسلہ یکجا ہو۔ مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ کا کلام، میرے حضرت کا بیان اور ریاض صاحب کی خطاطی، ان سب خصوصیات کے یکجا ہونے سے انوار العلوم ادب و آرٹ کا ایک منفرد نمونہ بن چکی ہے۔

شجرہ طیبہ و تعلیماتِ سلسلہ عالیہ

یہ میرے حضرت قبلہ کے سلسلہ عالیہ قادریہ چشتیہ ابو العلائیہ جہانگیریہ شکوریہ کے شجرہ ہائے طریقت اور تعلیمات سلسلہ عالیہ ہیں۔ سلسلہ عالیہ ابو العلائیہ جہانگیریہ شکوریہ، تصوف اور اسلامی حلقوں میں بہت عزت و تکریم سے پہچانا جاتا ہے۔ اس سلسلہ عالیہ کی خانقاہیں اور وابستگان نہ صرف برصغیر پاک و ہند بلکہ ہر خطہ ارض میں اسلام کی دعوت و تبلیغ کے علاوہ اخلاقی اقدار کی ترویج میں حصہ لے رہے ہیں۔ الحمدللہ یہ ہمارے حضرات کی ہمارے سلسلہ عالیہ پر خصوصی عنایات ہیں کہ ہمارے ہاں وجد و حال کا سلسلہ اس گئے گزرے دور میں بھی جاری ہے۔ ہمارے سلسلہ عالیہ و خواجگان سلسلہ عالیہ کے مفصل تعارف و تعلیمات کیلئے "سیرت فخر العارفین رحمۃ اللہ علیہ" کا مطالعہ کریں۔ اس کا جدید و خوبصورت ایڈیشن المعارف فاؤنڈیشن لاہور کے ہاں زیر طبع ہے۔

علامہ محمد اقبالؒ کا منتخب کلام

یہ علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ کے مجموعہ ہائے کلام میں سے منتخب اشعار و رباعیات ہیں۔ ان میں علامہ محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے روحانی استاد و پیرو مرشد یعنی مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ سے اپنی والہانہ محبت و عقیدت کا اظہار کیا ہے۔ ان میں علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ، مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ کی عظمت و بزرگی کے نغمے گاتے سنائی دیتے ہیں۔ یہ اشعار و رباعیات محترم رشید ظفر امیری کے ترجمہ کے ہمراہ ابری صفحات پر محمد ریاض صاحب کی دلکش خطاطی میں پیش کئے جا رہے ہیں۔

لغت لغت میں مشکل الفاظ کے معنی کے علاوہ انوار العلوم میں تحریر شدہ مقامات' واقعات' شخصیات اور اصطلاحات کی مختصر تعریف وتشریح بھی دی جارہی ہے۔ انوار العلوم بنیادی طور پر میرے جیسے کم فہم افراد کیلئے ہے۔ تو یہ لغت بھی اسی طبقہ کی آسانی کیلئے ہے کیونکہ اہل علم حضرات تو لغت میں موجود تمام مواد کے ظاہری و باطنی مطالب سے بخوبی آگاہ ہیں۔

ظاہری تزئین وآرائش الفاظ کی موٹائی میں پہلے کی نسبت تھوڑا اضافہ کیا گیا ہے۔ آفاقی (نیلے) رنگ کا خوبصورت آنکھوں کو بھلا محسوس ہوتا پھولدار حاشیہ موجود ہے۔ رنگین صفحات کی تعداد پہلے سے 10 گنا زیادہ ہے۔ رنگ بکھیرتے رنگین صفحات پر علم وحکمت کے موتی بکھر رہے ہیں۔

انوار العلوم کے تمام مراحل میں پس پردہ رہنے والوں اپنے تمام خیر خواہوں کا شکریہ ادا کرنا چاہوں گا۔

خصوصاً اپنے بزرگ برادر طریقت' حضرت قبلہ کے مخلص ومحبّ مرید محترم محمد رشید ظفر امیری صاحب کا شکریہ ادا کرنا چاہوں گا۔ آپ گزشتہ چار سالوں سے انوار العلوم کے اس ڈیلکس ایڈیشن کیلئے فنی' عملی' مالی اور اخلاقی معاونت کرتے چلے آرہے ہیں۔ آپ فارسی زبان وادب پر عبور رکھتے ہیں۔

اُردو کمپیوٹر کمپوزنگ کے ماہر اور نہایت نفیس انسان محترم مخدوم قاسم شاہد صاحب کی محبتوں کا شکریہ۔

کمپیوٹر گرافکس کے ماہر محترم عظمت علی جنہوں نے ڈیلکس ایڈیشن میں موجود ریاض صاحب کی خطاطی کی Setting کی ان کا خاص الخاص شکریہ۔ ان کے تخلیقی ذہن' محنت' لگن اور لاابالی پن کو دیکھتے ہوئے یہی کہا جاسکتا ہے کہ وہ ایک جینوئن آرٹسٹ ہیں۔ اگر ان کی طبیعت میں لاابالی پن نہ ہوتا تو وہ ایک اچھے پروفیشنل گرافک ڈیزائنر ہوتے۔ ان میں موجود کسر نفسی اور دنیا کی دوڑ میں آگے نہ بڑھنے کے درویشی رویے نے ان کو حقیقی آرٹسٹوں کی صف میں لا کھڑا کیا ہے۔

پنجاب یونیورسٹی (Institute of Business Administration Lahore) کے زمانہ طالبعلمی سے اب تک کے بے لوث' مخلص دوست وکرم فرما عمران بشیر المعروف IB کا شکریہ۔ انوار العلوم کے پہلے ایڈیشن سے ڈیلکس ایڈیشن تک کتاب کا ٹائٹل وکلر پرنٹنگ ہمیشہ انہی کی ذمہ داری رہی اور وہ اسے مجھ سے کہیں بہتر واحسن طریقے سے نبھا رہے ہیں۔

پنجابی کی ایک ضرب المثل ہے۔ ''اگ لین گئی تے گھر والی بن کے بہ گئی (آگ لینے گئی تھی اور گھر کی مالک بن گئی)۔ کچھ ایسا ہی معاملہ میرے اور بھائی جان شاہد حمید صاحب (فائن بک پرنٹرز) کے مابین ہوا۔ ان سے میرا تعارف انوارالعلوم کے پہلے ایڈیشن کی طباعت کے موقع پر ہوا۔ جب پہلا ایڈیشن ان کے پریس سے چھپوایا تو پرنٹنگ کا Technical knowlege نہ ہونے کے برابر تھا۔ انہوں نے ہر طرح کی Technical support دی۔ پرنٹنگ اور بائنڈنگ کے بل کے بقایاجات جو کہ اچھی خاصی رقم تھی وصول کیے بغیر کتاب میرے حوالے کردی۔ کہنے لگے جب پیسے ہوں تو دے جانا۔ ایڈریس دینا چاہاتو کہا کہ اگر یہ لے لوں تو پھر اعتبار کیسا۔ میں نے کہا کہ اعتبار تو ہونا چاہیے لیکن اندھا دھند نہیں۔ فرمانے لگے اعتبار ہی ہے۔ خیر اس کے بعد سے انوارالعلوم کا ہر ایڈیشن ان کے پریس سے چھپا۔ ان کی محبت ہر ایڈیشن کے معیار سے عیاں ہے۔ میرے ان سے تعلقات کاروباری حدود کو کہیں پیچھے چھوڑ کر قریبی خاندانی تعلقات میں تبدیل ہو چکے ہیں بلکہ میرے اور ان سے زیادہ میرے بیوی بچوں کے ان کے بیوی بچوں سے تعلقات قائم ہیں۔

اپنی والدہ محترمہ کا شکریہ ادا کرنا چاہوں گا' شکریہ نہیں' صرف یہ کہنا چاہوں گا:

امّی جی! آپ دُنیا کی سب سے اچھی ماں ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں یہاں اور وہاں ہمیشہ ہمیشہ آپ کی دُعاؤں کے حصار میں رکھے۔

آخر میں وہ بات جو کہ دل و دماغ پر روز اول سے نقش ہے۔ حد درجہ شکر گزار و ممنونِ احسان ہوں اپنے آقائے نعمت کا کہ انہوں نے انوارالعلوم کے دینی' دنیاوی و روحانی ہر اعتبار سے عظیم پراجیکٹ کو میرے ذریعے سے مکمل کروایا۔ یہ ان کی مجھ پر اللہ واسطے خصوصی شفقت وعنایت ہے۔ یہ ایک کھلی حقیقت ہے کہ ہر مرد و زن اپنے باطنی حالات کو دوسروں سے بہت بہتر جانتے ہیں جب میں اپنے اندر جھانکتا ہوں اور حضرت قبلہ کی شفقتوں اور عنایات کو دیکھتا ہوں تو بے ساختہ دل و زبان پر یہ کلام آتا ہے:

ماڑیاں نوں سینے لایا مہربانی سوہنیا
گھر بلا کے خیر پایا مہربانی سوہنیا
جان دے ہوسیاں وِی شاہا میرے ہر ہر عیب نوں
فیر وِی سب تے پردہ پایا مہربانی سوہنیا

اپنے آقائے نعمت کی شفقتوں کا اُمیدوار
محمد اظہر سُبحانی

مئی 2013 (بر موقع طبع 14' ڈیلکس ایڈیشن)

بگذراں از جانِ ما سُوءَ القضَا
بُری تقدیر کو ہماری جان سے ٹال دے

وا مبر ما را ز اِخوانِ الصّفا
ہمیں اہلُ اللہ سے جدا نہ کر

تعارفِ کتب و صاحبِ کتب

'انوار العلوم' حضرت مولانا جلال الدین محمد رومی رحمۃ اللہ علیہ کے نغمہ' معرفت یعنی مثنوی المعروف مثنوی مولوی معنوی رحمۃ اللہ علیہ کا بلیغ اُردو ترجمہ ہے۔ اِس ترجمہ کی خوبیاں اور اِس کے موثرات بیان کرنے سے پہلے میں یہ ضروری سمجھتا ہوں کہ صاحب ترجمہ کی شخصیت اور اُن کی بلند پایہ تصنیف کے پس منظر پر بھی روشنی ڈالی جائے۔

قبلہ محمد عالم امیری مدظلہ

پیکرِ لطف وعطا' محرمِ رموزِ عشق' شمعِ بزمِ ابراراں' سپہ سالارِ احراراں' حاملِ صدق و صفاء' فنائی الذاتِ الشیخ' سیّدی و مرشدی حضرت الشیخ قبلہ محمد عالم امیری دامت برکاتہم ہندوستان کے شہر فیروز پور سے ملحقہ بستی رحمان تہاڑیہ میں دو ستمبر اُنیس سو اٹھائیس 1928-09-02 کو پیدا ہوئے۔ آپ کا تعلق ارائیں گھرانے سے ہے اور آپ کے آباؤ اجداد کاشتکاری کیا کرتے تھے۔ آپ نے ابتدائی تعلیم فیروز پور ہی میں حاصل کی۔ 1947ء میں جب پاکستان معرضِ وجود میں آیا تو وہاں سے ہجرت کر کے پاکستان میں صدر چھاؤنی لاہور تشریف لے آئے۔ آپ نے اپنی بقیہ تعلیم لاہور ہی میں مکمل کی۔ آپ نے ایک اُستادِ محترم کی حیثیت سے نونہالانِ قوم کو زیورِ تعلیم سے آراستہ کیا اور 28 اگست 1987ء کو آپ محکمہ تعلیم سے ریٹائرڈ ہوئے۔

آپ کا سِلسلہ عالیہ سے تعارف

ابتداء میں آپ بسلسلہ روزگار ایبٹ آباد میں مقیم تھے۔ وہاں پر آپ کی ملاقات امیرالاولیاء حضرت سیّدنا خواجہ محمد امیرالدین رحمۃ اللہ علیہ کے ایک مرید صوفی فضل کریم صاحب سے ہوئی۔ بقول قبلہ محمد عالم امیری مدظلہٗ صوفی صاحب اپنے مرشد سے کمال درجے کی محبت و نسبت رکھنے والے اور انتہاء درجہ کی عبادت و ریاضت کرنے والے درویش تھے۔ آپ فرماتے ہیں: اُس زمانے میں جو کہ میری جوانی کا زمانہ تھا میں رُوحانیت یا تصوف تو درکنار مذہب سے بھی عملاً نا آشنا تھا۔ آزاد خیال و آزاد منش انسان تھا۔ ایک دن میرا ایک دوست مجھے صوفی صاحب کی محفل میں لے گیا۔ وہاں میں نے دیکھا کہ اُن کے مریدین پاس انفاس کے طریقہ سے ذکر نفی و اثبات کر رہے تھے اور سب کی حالت غیر تھی۔ کوئی لوٹ پوٹ ہو کر "اللہ اللہ" کے نعرے لگا رہا ہے اور کوئی ہوش و حواس سے بیگانہ وجدانی کیفیت میں ہے تو کوئی زار و قطار رو رہا ہے۔ میرے

کاے خداوندِ کریم بُرد بار　　ده امانم زیں دو شاخہ اختیار

اے حلیم اور کریم خداوند!　　اِختیار کے دو راہے سے مجھے امان دیجیے

لئے تو یہ سب کچھ ہی عقل و فہم سے ماوراء تھا۔ محفل کے بعد میں نے تعجب سے صوفی صاحب سے دریافت کیا کہ حضرت یہ سب کیا تھا؟ انہوں نے فرمایا: ''اللہ اللہ'' ہو رہی تھی۔ میں نے کہا: حضرت ''اللہ اللہ'' کرنے کا یہ طریقہ نہ سنا نہ دیکھا۔ بھلا یہ کیا طریقہ ہوا؟ تو انہوں نے فرمایا کہ آئندہ ہونے والی محفل میں آنا پھر بتاؤں گا۔

جب اُن کے ہاں دوبارہ محفل ہوئی تو میرا دوست مجھے پھر وہاں لے گیا۔ تو دورانِ محفل جیسے ہی انہوں نے مجھے ذکر کروایا اور توجہ دی تو پھر مجھے کچھ ہوش نہ رہا۔ جب ہوش آیا تو بستر پر موجود تھا۔ کپڑے جگہ جگہ سے پھٹ چکے تھے۔ جسم کا انگ انگ ٹوٹ رہا تھا' جابجا رگڑوں کے نشانات تھے۔ میں پھر سوگیا اور جب میں دوبارہ مکمل طور پر ہوش و حواس میں آیا تو مجھے پتا چلا کہ میں محفل کے بعد نہ صرف ساری رات اور اُس سے اگلا دن بلکہ اگلی رات بھی سوتا رہا۔ بس پھر اُن سے نسبت قائم ہوگئی۔ اُس محفل کے کچھ ہی عرصہ بعد صوفی فضل کریم صاحب کے پیرو مرشد حضرت سیّدنا خواجہ محمد امیر الدین رحمۃ اللہ علیہ ایبٹ آباد تشریف لائے۔ جب قبلہ محمد عالم امیری مدظلہ کی اُن سے ملاقات ہوئی تو انہوں نے آپ کو فیصل آباد اپنے آستانہ عالیہ پر حاضر ہونے کا فرمایا۔

حضرت سیّدنا خواجہ محمد امیر الدینؒ کے دستِ حق پر بیعت

حضرت سیّدنا خواجہ محمد امیر الدین رحمۃ اللہ علیہ اپنے شیخ پیرو مرشد سیّدنا ہادی علی شاہ رحمۃ اللہ علیہ کا سالانہ عرس مبارک ۲۷ رجب کو اپنے آستانہ عالیہ پر منعقد کرواتے تھے۔ لہٰذا ۱۹۶۰ء کو قبلہ محمد عالم امیری مدظلہ عرس کی تقریب میں شریک ہوئے اور حضرت سیّدنا خواجہ محمد امیر الدین رحمۃ اللہ علیہ کے دستِ حق پر بیعت ہونے کی سعادت حاصل کی۔

عطائے خلافت و اجازت

اس کے چار سال بعد ۱۹۶۴ء کو آپ کو سالانہ عرس مبارک امام الاولیاء حضرت سیّدنا ہادی علی شاہ رحمۃ اللہ علیہ پر مرشدِ کامل حضرت سیّدنا خواجہ محمد امیر الدین رحمۃ اللہ علیہ نے کمالِ رحمت فرماتے ہوئے خلافت و اجازت سے نواز دیا۔ اس طرح سے میرے پیرو مرشد قبلہ محمد عالم امیری مدظلہ سے سلسلہ عالیہ قادریہ چشتیہ ابوالعلائیہ جہانگیریہ شکوریہ امیریہ کے فیض کا سلسلہ جاری ہوا۔

آپ کی اپنے حضرت قبلہ سے محبت و عقیدت

حضرت سیّدنا خواجہ محمد امیر الدین رحمۃ اللہ علیہ کے دستِ حق پر بیعت کرنے کے بعد ابتدائی ایام ہی سے سیّدی و مرشدی قبلہ محمد عالم امیری مدظلہ پر ذوق و شوق، کیف و مستی اور وجدانی کیفیات کا غلبہ طاری ہوگیا تھا۔ شب و

روز محبت وعقیدت کے دریا میں غوطہ زن رہتے۔ شیخِ طریقت کی محبت قلب و رُوح پر اس انداز سے چھائی رہتی کہ اُٹھتے بیٹھتے اُنہی کا ذکرِ خیر کرتے رہتے تھے۔ دوست واحباب میں اِس انداز سے شیخ کی محبت وعظمت کا اظہار کرتے کہ اُن میں امیر الاولیاء حضرت سیّدنا خواجہ محمد امیر الدین رحمۃ اللہ علیہ سے ملنے کی تمنا پیدا ہو جاتی اور جب ملتے تو غلامی اختیار کئے بغیر نہ رہ سکتے۔ یہی وجہ ہے کہ آپ کے بہت سے پیر بھائی آپ ہی کی وساطت سے حلقۂ ارادت امیر الاولیاء رحمۃ اللہ علیہ میں آئے۔ اپنی اُن کیفیات کے متعلق آپ فرماتے ہیں۔

مُنوّر و مُعطّر ہے فضا اِس دِل کی اے عالَم
کہ آ بیٹھا ہے جس دِن سے وہ رَشکِ مہر و مہ دِل میں

آپ کی اپنے شیخ پیر و مرشد سے محبت وعقیدت کا ایک بہت ہی خوبصورت واقعہ قبلہ محمد عالم امیری مدظلہ کے الفاظ میں کچھ اس طرح سے ہے کہ "ایک دن میرے ایک پیر بھائی نے مجھے اطلاع دی کہ حضرت سیّدنا خواجہ محمد امیر الدین رحمۃ اللہ علیہ لاہور تشریف لائے ہیں۔ یہ سکول میں گرمیوں کی چھٹیوں کے دن تھے۔ میں نے گھر والوں کو بتایا کہ میں حضرت قبلہ کی زیارت کو جا رہا ہوں اور کل آ جاؤں گا۔ گھر سے نکلتے وقت میری زوجہ نے مجھے کہا کہ گھر میں چولہے وغیرہ کے استعمال کے لیے مٹی کا تیل ختم ہونے کو ہے۔ بمشکل آج کے دن کا گزارہ ہوگا۔ میں نے کہا کہ ابھی تو میں حضرت کی زیارت کے لیے جاتا ہوں' کل واپسی پر مٹی کا تیل لیتا آؤں گا۔ یہ ہفتہ کا دن تھا۔ جب میں حضرت کی خدمت میں پہنچا تو شب و روز حضرت قبلہ کی صحبت اور ذکر و فکر کی محافل میں گزرنے لگے۔ ہفتہ کے بعد اتوار' پیر اور منگل کا دن بھی گزر گیا۔ گھر سے آئے پانچویں روز یعنی بدھ والے دن دوپہر کے وقت میں ایک چارپائی پر لیٹا ہوا تھا۔ میرے برابر والی چارپائی پر میرے پیر بھائی اختر سدیدی صاحب تھے (وہ ابھی نئے نئے داخلِ سلسلہ ہوئے تھے) ہم دونوں ذوق وشوق کی گفتگو کر رہے تھے کہ اچانک مجھے یہ یاد آیا کہ میں نے گھر سے نکلتے وقت اپنی زوجہ سے کہا تھا کہ میں کل واپس آ جاؤں گا اور آتے وقت مٹی کا تیل بھی لیتا آؤں گا جبکہ آج پانچواں روز ہے۔ گھر واپس لوٹنا یا مٹی کا تیل لے جانا تو درکنار مجھے تو ان پانچ دنوں میں یہ خیال تک بھی نہ رہا کہ میرا کوئی گھر بار بھی ہے۔ بس یہ خیال آتے ہی میری ایسی بے ساختہ ہنسی چھوٹی کہ اختر سدیدی صاحب تعجب سے میری طرف دیکھنے لگے کہ گفتگو میں تو ہنسی والی کوئی بات ہوئی ہی نہیں تو پھر ان کو کیا ہوا۔ اُن کے استفسار پر جب میں نے اُن کو یہ سب ماجرا سنایا تو وہ بھی بہت محظوظ ہوئے کہ عشق میں انسان کس طرح اپنی سدھ بدھ کھو بیٹھتا ہے۔

رات کو انہوں نے یہ سب حضرت سیّدنا خواجہ محمد امیر الدین رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں گوش گذار کیا تو حضرت قبلہ بھی یہ سن کر بہت محظوظ ہوئے اور ہنستے ہوئے کہا کہ میاں یہ سب عشق کی کارستانیاں ہیں، میرے ساتھ بھی ایک ایسا ہی واقعہ پیش آ چکا ہے کہ میری زوجہ نے مجھے سبزی والی دکان سے آلو لانے کو کہا۔ جب دکان پر پہنچ کر میں نے جیب سے پیسے نکالے تو پیسے دیکھ کر مجھے یہ خیال آیا کہ جیب میں کرایہ تو ہے۔ تو کیوں نہ اپنے پیرو مرشد حضرت سیّدنا ہادی علی شاہ رحمۃ اللہ علیہ کی زیارت کا سفر کیا جائے۔ اب مجھے یہ بھی بھول گیا کہ میں گھر سے سبزی لینے نکلا ہوں۔ میں ریلوے اسٹیشن پہنچا اور جالندھر سے کانپور شریف کی جانب سفر شروع کیا۔ کانپور شریف میں اپنے حضرت کی خدمت میں پہنچنے کے کئی دن بعد مجھے یہ خیال آیا کہ میں تو گھر سے آلو لینے نکلا تھا۔

1969ء میں حضرت قبلہ کے چھوٹے بھائی محترم شکور عالم صاحب نے آپ کو P.I.A کی ایک ڈائری گفٹ کی۔ آپ اُس میں اپنے پسندیدہ کلام تحریر کرنے لگے۔ اُسکے پہلے صفحے پر آپ نے اپنے پیرو مرشد کا اسمِ گرامی جن الفاظ میں تحریر کیا ہے۔ وہ آپ کی اپنے پیرو مرشد سے عقیدت و محبت کا ایک عمدہ نمونہ ہے۔ اہلِ ذوق حضرات کے لیے وہ تحریر من و عن پیش کی جا رہی ہے۔

کاپی نعت

محمد عالم امیری

بندۂ حقیر ترین بارگاہِ سرتاج الاولیا۔ امیرِ کل
مکینِ دلِ عاشقاں۔ حامی و ناصرِ مذنباں
تسکینِ دلِ شکستگاں۔ عشقِ الٰہی کے روحِ رواں
ملجانا و ماوانا۔ مرشدنا و ہادینا۔
حضرت مولانا محمد امیر الدین صاحب قبلۂ عالم
ہادوی۔ شکوری۔ ابوالعلائی۔ جہانگیری
قدس اللہ سرہ العزیز۔

دست گیر از دستِ ما مارا بخر
اے ہمارے دستگیر ہمیں ہم سے خرید لے

پردہ را بردار و پردہ ما مدر
پردے کو اُٹھا دے اور ہماری پردہ دری نہ کر

حضرت سیّدنا خواجہ محمد امیر الدین ﷫ جب بھی لاہور تشریف لاتے تو اُن کا قیام اکثر قبلہ محمد عالم امیری مدظلہ کے ہاں ہوتا۔ محافل درود و سلام اور سماع کا انعقاد کثرت سے ہوتا۔ ذوق و شوق کی دنیا آباد رہتی۔ گویا کہ آپ کا گھر رُوحانی درس گاہ بن گیا۔ بندگانِ خدا مستفیض ہوتے۔ پیر بھائی اور سلسلہ کے دیگر متعلقین آکر ذوق و شوق کی پیاس بجھاتے۔

امیر الاولیاء حضرت سیّدنا خواجہ محمد امیر الدین ﷫ اپنے مخلص خدام اور رُوحانی فرزندوں کو داغِ مفارقت دے کر ۲۱ جون ۱۹۶۸ء بمطابق ۲۴ ربیع الاول ۱۳۸۸ھ بروز جمعۃ المبارک کو واصل باللہ ہوئے۔ اُن کے ذکرِ خیر پر مشتمل ایک مختصر مگر جامع مضمون اس ایڈیشن میں شاملِ اشاعت کیا جارہا ہے۔

ظاہراً سیّدی و مرشدی قبلہ محمد عالم امیری مدظلہ نے ۱۹۶۰ء سے لے کر ۱۹۶۸ء تک یعنی تقریباً صرف سات آٹھ سال کا قلیل عرصہ اپنے مرشد کی صحبت میں گزارا لیکن یہ مختصر سا عرصہ آپ کی زندگی پر اپنے شیخ پیر و مرشد کی محبت کے انمٹ نقوش چھوڑ گیا۔ آپ کی اپنے شیخ پیر و مرشد سے محبت اور لگاؤ میں کوئی کمی واقع نہ ہوئی بلکہ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ یہ محبت اور لگن بڑھتی جارہی ہے۔

وہی آبلے ہیں وہی جلن کوئی سوزِ دِل میں کمی نہیں
جو آگ تم تھے لگا گئے وہ لگی ہُوئی ہے بجھی نہیں

آج جب کہ حضرت سیدنا خواجہ محمد امیر الدین ﷫ کو ظاہراً ہم سے جدا ہوئے چالیس سال سے زیادہ کا عرصہ ہونے کو ہے۔ سیّدی و مرشدی قبلہ محمد عالم امیری مدظلہ کی یاداشتوں میں اپنے شیخ پیر و مرشد کے ساتھ بِتایا گیا ایک ایک لمحہ ہر ہر جزئیات و کلیات کے ساتھ تروتازہ ہے۔ آپ اپنے پیر و مرشد کو "میرے حضرت" یا "ہمارے حضرت" کہہ کر یاد فرماتے ہیں۔ آپ کی ذوق و شوق کی کوئی بات اپنے حضرت کے تذکرے کے بغیر مکمل نہیں ہوتی۔ جب بھی آپ اُن کا تذکرہ چھیڑتے ہیں تو ایسا واضح طور پر محسوس ہوتا ہے کہ آپ اُس وقت میں جا پہنچے ہیں اور رواں تبصرہ سُنا رہے ہیں۔ جب بھی آپ اپنے حضرت کا ذکرِ خیر فرماتے ہیں تو آپ پر ایک سرمستی کی سی کیفیت طاری ہوجاتی ہے۔ اپنے شیخ پیر و مرشد کی محبت کی وارفتگی آپ پر چھائی رہتی ہے۔ بلاشبہ یہ آپ پر آپکے مرشدِ کامل کی توجہِ خاص کا نتیجہ ہے۔ آپ فرماتے ہیں ؂

الٰہی درد اُن کا رکھ یُونہی دِل میں مرے قائم
سدا دیکھا کروں بیٹھا ہوا ماہِ لقا دل میں

آپ جب بھی اپنے حضرت کا تذکرہ کرتے ہیں تو بہت احتیاط اور مناسب و خوبصورت الفاظ میں اِس طرح سے کرتے ہیں کہ جیسے شراب طہورا کے جام شیشے کے آبگینے اور کانچ کے نازک برتن میں بہت احتیاط سے رکھ رہے ہوں کہ مبادا ذرا سی بے احتیاطی سے ان نازک آبگینوں کو ٹھیس پہنچ سکتی ہو۔

آپ فرماتے ہیں کہ میرے حضرت نہایت نفیس طبع اور سادہ انسان تھے۔اُن کے لباس، گفتگو، اُٹھنے بیٹھنے اور کھانے پینے کے طریقوں سے ہی اُن کی سادگی اور نفاست کا اظہار ہوتا تھا۔امیر الاولیاء اکثر فرمایا کرتے تھے کہ ’’عالم میاں! ہتھیلی پر چراغ لے کر بھی سارے زمانے میں پھروگے تو میرے پیر جیسی نسبت کہیں نہ ملے گی‘‘۔

قبلہ محمد عالم امیری مدظلہ نے اپنے شیخ پیرو مرشد کی حیاتِ مبارکہ میں کسی کو داخلِ سلسلہ نہ فرمایا کیونکہ آپ اس کو خلافِ ادب سمجھتے تھے۔جب آپ کے پیرو مرشد کی آپ سے ظاہراً جدائی ہوگئی تو آپ اِس جدائی میں اس قدر کھو گئے کہ ایک عرصہ تک اپنا سلسلہ طریقت جاری نہ فرمایا۔آخر کار آپ نے اپنے برادرانِ طریقت کے پُر زور اصرار پر لوگوں کو داخل سلسلہ کرنا شروع کیا۔مگر پھر بھی زیادہ سے زیادہ مرید کرنے کا شوق نہ کبھی آپ کو تھا اور نہ ہے۔

سیّدی و مرشدی قبلہ محمد عالم امیری مدظلہ ظاہری و باطنی طور پر اپنے شیخ پیرو مرشد کا کامل نمونہ ہیں۔حضرت سیّدنا خواجہ محمد امیر الدین رحمۃ اللہ علیہ کی غلامی میں آنے کے بعد آپ کی بود و باش ہی بدل گئی۔آپ کے پیرو مرشد نے آپ کو اپنے رنگ میں رنگنا شروع کر دیا اور آپ نے بھی اپنے آپ کو اپنے پیرو مرشد کے حوالے کر دیا۔اب آپ کی ظاہری شکل و شباہت بھی آپ کے شیخ پیرو مرشد کا رنگ اختیار کر گئی ہے۔آپ کے برادرانِ طریقت کو آپ میں اور آپ کے حضرت میں کوئی فرق نظر نہیں آتا۔آپ کا اندازِ گفتگو، اندازِ تبسم، اُٹھنے بیٹھنے چلنے کا انداز آپ کے حضرت کا رنگ لیے ہوئے ہے۔

۱۹۹۱ء میں امام الاولیاء حضرت سیّدنا محمد ہادی علی شاہ رحمۃ اللہ علیہ کے سجادہ نشین حضرت قبلہ مصطفیٰ میاں مدظلہ کانپور شریف سے پاکستان تشریف لائے اور سالانہ عرس مبارک شیخ العارفین حضرت سیّدنا الشاہ مخلص الرحمان جہانگیر رحمۃ اللہ علیہ میں شرکت کی۔دورانِ محفل آپ بار بار سیّدی و مرشدی قبلہ محمد عالم امیری مدظلہ کی طرف دیکھتے اور فرماتے کہ ’’آپ تو بھائی امیر الدین کی مکمل تصویر ہیں۔مجھے تو آپ وہی لگتے ہیں، بالکل فرق نہیں‘‘۔خوشی میں بار بار یہی الفاظ دُہراتے رہے۔

شوکت وہی صولت وہی دستور وہی ہے
نقشہ وہی انداز وہی نُور وہی ہے

پردہ اے ستار از ما بر مگیر
اے پردہ پوش! ہمارا پردہ نہ اُٹھا

باش اندر امتحاں مارا مجیر
امتحان میں ہمیں پناہ دینے والا بن جا

آپ کے اخلاقِ حسنہ

سلسلہ عالیہ میں آنے اور علمِ باطن کے مطالعہ سے آپ کی قابلیت بہت فزوں تر ہو گئی۔ آپ طریقت کی باریکیاں اہلِ علم یا پڑھے لکھے لوگوں کو بہت احسن طریقے سے سمجھا دیتے ہیں۔ سیدی و مرشدی قبلہ محمد عالم امیری مدظلہ ہر عمر اور ہر شعبہ کے لوگوں سے اُن کے مزاج اور معیار کے مطابق گفتگو کرتے ہیں۔

آپ روایتی پیروں، فقیروں سے بہت ہٹ کر ہیں۔ عفو و درگذر، رواداری اور عاجزی کا سبق تو سبھی لوگ دیتے ہیں مگر جب کبھی کبھار ان الفاظ پر عملی جامہ پہنانے کی بات آتی ہے تو یہ الفاظ خود شرمندہ ہو جاتے ہیں۔ آپ بہت ہی ملنسار و خوش اخلاق ہیں۔ آپ سے ملنے والا ہر خاص و عام آپ کے حُسنِ خلق سے بہت متاثر ہوتا ہے۔ عاجزی و انکساری بہت زیادہ ہے مگر ایک پُر وقار انداز لیے ہوئے۔ آپ کی انکساری کا یہ عالم ہے کہ ایک وسیع اور بڑا سلسلہ رکھنے کے باوجود اپنے آپ کو پیر نہیں سمجھتے۔ آپ فرماتے ہیں کہ ہم تو صرف اپنے پیر و مرشد کے احکام کی بجا آوری کرتے ہیں۔ میرے شیخ ہی سب کچھ ہیں یہ سب میرے شیخ کا تصرف ہے ورنہ ہماری کیا حیثیت ہے۔

حضرت کو یوں تو ہر بات کا علم ہے مگر وہ یہ نہیں جانتے کہ وہ ایک پیر اور شیخ ہیں اور نہ ہی اُنہوں نے کبھی پیروں والا رویہ اپنایا۔ آپ تمام اہلِ سلسلہ کو اپنے بچوں کی طرح عزیز رکھتے ہیں اور اُن سب کے دکھ درد میں شریک ہوتے ہیں۔ عاجزی اور انکساری ایسی ہے کہ اپنے پیر بھائیوں کی دست بوسی و قدم بوسی کرنے میں پہل کرتے ہیں۔ آپ کے پیر بھائی بھی آپ سے بہت محبت رکھتے ہیں اور آپ سے حد درجہ عقیدت و احترام سے پیش آتے ہیں اور اُن کی بھی یہی کوشش ہوتی ہے کہ وہ آپ کی دست بوسی و قدم بوسی میں پہل کریں۔

اگر میں عقیدت کی عینک اُتار کر بھی دیکھتا ہوں تو سیدی و مرشدی قبلہ محمد عالم امیری مدظلہ کی زندگی عفو و درگذر اور رواداری کا بہترین نمونہ ہے۔ اپنے بڑے سے بڑے مخالف کی بھی خطاؤں کو درگزر کیا' نہ صرف درگذر کیا بلکہ ہمیشہ صلہ رحمی سے کام لیا۔ اگر کبھی کسی نے بتایا کہ فلاں شخص جس پر آپ کے بے انتہا احسانات ہیں اُس نے آپ کے بارے میں منفی باتیں کی ہیں تو ہنس کر کہا کہ مجھ میں کوئی عیب تو ہوگا جبھی تو وہ ایسا کہہ رہا ہے اور جب کبھی ایسی منفی بات کرنے والے نے بعد میں ندامت و پشیمانی کا اظہار کیا تو اُس کو شرمندگی سے بچانے کے لئے یہ کہہ کر بات ختم کر ڈالی کہ "کوئی بات نہیں یہ سب زندگی کا حصہ ہے چھوڑو اس بات کو"۔ بقول برادرِ طریقت شہباز سعید صاحب "ہمارے حضرت بہت حلیم طبع فقیر ہیں"۔

سہو و نسیان را مُبدل کُن بعلم
میری بُھول جانے کی عادت کو علم میں

من ہمہ حلم مرا کُن صبر و حلم
اور دُوسری بُری خصلتوں کو صبر اور بُردباری میں بدل دے

سلسلہ عالیہ کا کوئی رکن اگر اپنی کسی غلطی یا تقصیر کے سبب اپنے رُوحانی عہدہ سے معزول ہو جاتا ہے تو آپ کبھی بھی اُس کا تذکرہ حقارت سے نہیں کرتے ہیں بلکہ ہمیشہ بڑے دکھ بھرے الفاظ میں بتاتے ہیں کہ ''یار بندہ تو بہت اچھا تھا اور اُس میں فلاں فلاں خوبیاں بھی تھیں مگر بس بے وقوفیاں کر گیا اور اپنے ہی پاؤں پر کلہاڑی مار بیٹھا۔ بس مشیتِ ایزدی میں کچھ ایسا ہی تھا''۔

تعمیری تنقید کے نام پر بدخوئی اور عیب جوئی آج ایک ایسا عمل بن گیا ہے کہ شاید ہی کوئی شخص اور کوئی محفل اس سے مبرا ہو۔ ایک مرتبہ ایک شخص نے سیّدی و مرشدی سے کسی اور کا ایک عیب بیان کیا اور کہا کہ سب سے حیرت کی بات تو یہ ہے کہ وہ خود بھی اپنے اِس عیب سے واقف نہیں۔ تو اس بات پر آپ نے فرمایا: ''اگر اُس میں یہ عیب ہے اور آپ کہتے ہیں کہ وہ خود بھی اپنے عیب سے باخبر نہیں تو ذرا سوچئے کہ ہم دونوں میں کتنے ہی ایسے عیب ہوں گے کہ یا تو جن سے ہم بھی لاعلم ہوں گے یا شاید اُن کو اپنی خوبی سمجھتے ہوں۔ ہمیں ہمیشہ اپنے اندر کے عیبوں کی کھوج میں رہنا چاہئے اور جب ہم جان لیں کہ اب ہم بے عیب ہیں تو پھر ہمیں دوسروں کو انکے عیبوں سے مطلع کرنا چاہئے اور بے عیب تو صرف اللہ کریم کی پاک ذات ہی ہے''۔

سیّدی و مرشدی پر سماع میں ایک شعر پر اکثر وجدانی کیفیات کا ورُود ہوتا ہے۔ وہ شعر کچھ اِس طرح سے ہے۔

عیباں گُناہیاں گل لالے میرے ہادیا
تیری ئیں کہانی آں گل لالے میرے ہادیا

ذوقِ سماع

سیّدی و مرشدی سماع میں عشق و محبت والا کلام سننا پسند کرتے ہیں۔ قوالوں کو بھی ہمیشہ نسبتی کلام پڑھنے کی تلقین کرتے ہیں۔ فارسی و پنجابی کلام بہت شوق سے سنتے ہیں۔ اگر پڑھنے والا کہیں غلطی کر دے تو فوراً اُس کی تصحیح کرواتے ہیں کہ غلط ادائیگی الفاظ سے معنی بدل جاتے ہیں۔ محفل سماع میں حضرت پر طاری ہونے والے حال کو دیکھ کر اکثر حاضرین محفل پر خود بھی وجد و حال اور گریہ طاری ہو جاتا ہے۔

پیکرِ عاجزی و انکساری

آپ اپنی زندگی کی کامیابیوں اور ناکامیوں کا تجزیہ کچھ اِس طرح سے کرتے ہیں کہ ''میں نے تو وہ بہت ہی بے وقوفی والا فیصلہ کیا تھا لیکن میرے حضرت کی کچھ ایسی کرم نوازی ہوئی کہ میرا وہ صریحاً بے وقوفی والا فیصلہ میرے حق میں بہترین ہو گیا''۔

الحمدللہ مجھے سیّدی و مرشدی کے ہمراہ بارہا مرتبہ ۲ گھنٹے سے لیکر ۲ دن تک کے سفر کا موقع ملا۔ دن رات ساتھ رہنے کی

سعادت میسر آئی اور اپنے پیرومرشد کو مزید قریب سے دیکھنے کا موقع ملا۔ حضرت کی سادگی، عاجزی اور اللہ پر توکل سے تو کبھی کبھی (دنیادار بندہ ہونے کی بنا پر) حیرت کے علاوہ الجھن سی ہونے لگتی ہے۔ اگر اچھی سے اچھی سواری ملی تو پھر بھی ''الحمدللہ'' اور اگر کبھی بغیر شیشوں کی لاری میں سیروں کے حساب سے مٹی کھانی پڑی تو پھر بھی کوئی شکوہ نہیں۔ کھانا بہت ہی پُرتکلف ہو یا سادہ دونوں صورتوں میں ''الحمدللہ''، رات کا کھانا کتنا ہی پُرتکلف کیوں نہ ہو اکثر و بیشتر اجتناب ہی برتتے ہیں مخملی بستر پر سوئے تو ''الحمدللہ'' اور اگر بان کی بُنی ہوئی ننگی چارپائی یا زمین پر بچھی دری پر سونا پڑا تو پھر بھی ''الحمدللہ''۔ آپ کی عادات واطوار میں اس قدر لچک دیکھ کر کبھی یوں غلط فہمی ہوتی ہے کہ شاید آپ کا کوئی فیصلہ بھی اپنا نہیں ہوتا۔ لیکن جہاں پر بات ہو اصولوں کی، سلسلہ کی عزت کی، حضرات کے احترام کی یا یوں کہہ لیجئے کہ حق وباطل کی تو پھر آپ کا فیصلہ دوٹوک ہوتا ہے اور اُس میں کسی قسم کی بحث یا لچک کی کوئی گنجائش نہیں ہوتی بھلے اُس کا جو بھی نتیجہ نکلے۔ بقول علامہ محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ

ہو حلقۂ یاراں تو بریشم کی طرح نرم
رزمِ حق و باطل ہو تو فولاد ہے مومن

سلسلہ عالیہ ابوالعلائیہ جہانگیریہ کے عظیم بزرگ فخر العارفین حضرت سیّدنا عبدالحیٔ شاہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ''اللہ کے ولی کسی آدمی کا نام سُن کر اُن کے بارے میں سب کچھ جان لیتے ہیں''۔ اسی طرح سیّدی ومرشدی قبلہ محمد عالم امیری مدظلہ کے سامنے جب بھی کسی ایسے آدمی کا ذکر کیا جاتا ہے (سلام پیش کیا جاتا ہے یا دعا کی درخواست پیش کی جاتی ہے) کہ جس سے بظاہر آپ کی ملاقات نہیں ہوئی اور آپ اُس کے بارے میں ظاہری طور پر کچھ نہیں جانتے تو آپ عام طور پر پوچھا کرتے ہیں کہ اُس کا نام کیا ہے؟ جب آپ کو نام بتادیا جاتا ہے تو تھوڑی دیر کے لیے آپ خاموش ہو کر گردن جھکا لیتے ہیں۔ پہلے پہل تو اِس بات کا احساس نہ ہوا مگر جب ایسا عموماً ہونے لگا تو پھر فخر العارفین حضرت سیّدنا عبدالحیٔ شاہ رحمۃ اللہ علیہ کا وہ قول یاد آیا'' کہ اللہ کے ولی کسی کا نام سُن کر ہی سب کچھ جان لیتے ہیں''۔

آپ کی اپنے مُرشد کے مزارِ اقدس پر حاضری

سیّدی ومرشدی قبلہ محمد عالم امیری مدظلہ اپنے پیرو مرشد امیر الاولیاء حضرت سیّدنا خواجہ محمد امیر الدین رحمۃ اللہ علیہ کے دربارِ اقدس پر ایک خاص عقیدت اور محبت وسرشاری کی حالت میں حاضری دیتے ہیں۔ اُس کو الفاظ میں بیان کرنا بہت ہی مشکل ہے۔ البتہ اتنا ضرور کہوں گا کہ آپ کی حاضری کو دیکھ کر دیکھنے والوں پر سرمستی طاری ہوجاتی ہے۔ آپ اپنے

حضرت کے دربار کے سجادہ نشین قبلہ سردار محمد امیری مدظلہ سے اس قدر عقیدت و محبت سے ملتے ہیں کہ نئے لوگ یہی سمجھتے ہیں کہ شاید آپ اُن ہی سے بیعت ہیں۔ جب آپ سجادہ نشین صاحب کے جواں سال صاحبزادوں سے (جو کہ امیر الاولیاء رحمۃ اللہ علیہ کے نواسے بھی ہیں) ملتے ہیں تو آپ اُن کے ماتھے اور گالوں کا بوسہ لے کر ایک طویل معانقہ کرتے ہیں۔ کبھی آبدیدہ ہو جاتے ہیں اور کبھی رقت طاری ہو جاتی ہے۔ اپنے حضرت کے نواسوں کو دیکھتے ہی آپ کی آنکھوں میں ایک خاص چمک اور چہرے پر رونق آجاتی ہے۔ وہ پاک و نیک طینت جوان آپ کو ماموں کہہ کر بہت محبت و احترام سے پکارتے ہیں۔ آپ اُن سب کا غائبانہ تذکرہ بہت عمدہ الفاظ میں کرتے ہیں۔

اگر سیّدی و مرشدی اور اُن کے مرشدِ گرامی کی زندگیوں کا سرسری یا گہرائی میں جا کر مشاہدہ یا تجزیہ کریں تو ان کی زندگیوں کا خلاصہ یا حاصلِ کلام علامہ محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ کے ایک ہی شعر میں بیان ہو سکتا ہے (جو کہ میرے پیر و مرشد کے پسندیدہ اشعار میں سے ایک ہے)

متاعِ بے بہا ہے درد و سوزِ آرزومندی
مقامِ بندگی دے کر نہ لوں شانِ خداوندی

آپ کے فرمودات

یہاں میں اپنے حضرت قبلہ کے ملفوظات میں سے چند ایک شاملِ اشاعت کرنا چاہوں گا۔ آپ فرماتے ہیں:

☆ عشقِ الٰہی اور عشقِ رسول کو دل میں قائم کرنے کا سب سے بڑا ذریعہ ذکر ہے۔ جوں جوں انسان ذکر کو پے اوپر غالب کرتا چلا جائے گا۔ خود بخود قُربِ الٰہی کی لذت و کیفیات اپنے میں محسوس کرے گا۔ ذکر آہستہ آہستہ سانس سے ہٹ کر قلب کی ہر ضرب پر منطبق ہونا چاہئے۔ یہ صورت ذکر کے بعد مراقبہ اور محافلِ سماع سے حاصل ہو سکتی ہے۔ اللہ اللہ کرتے رہیں اور اپنے دل کی طرف باطنی نگاہ کئے رہیں۔ انشاء اللہ وقت آئے گا کہ شرابِ وصل کا جام عطا ہوگا۔ اس راہ کے اسرار و رموز آپ پر خود بخود ظاہر ہو جائیں گے۔

☆ جو پابندِ شریعت نہیں، وہ صاحبِ طریقت بھی نہیں۔ جو نماز ہم عادت کے طور پر پڑھتے ہیں اس نماز کا کیا فائدہ؛ جب تک دل نماز میں مشغول نہ ہو اُس وقت تک نماز، نماز نہیں ہے۔ حدیث نبویؐ ہے کہ: ’’بغیر حضوریِ قلب کے کوئی نماز نہیں ہوتی‘‘۔

☆ قرآن پاک میں ہے کہ اللہ کا ذکر کثرت سے کرو۔ اب اگر پانچوں نمازوں کا وقت جمع کیا جائے تو زیادہ سے زیادہ دو گھنٹے بن جائے گا۔ اس طرح ذکر کی کثرت تو پوری نہ ہوئی۔ تو نماز کے علاوہ بھی ذکر و فکر میں مشغول رہنا چاہئے اور ذکر بھی ایسا جس میں ریاکاری کی گنجائش نہ ہو (یعنی ذکر نفی اثبات بطریقہ پاس انفاس)۔ سورۃ زمر میں ہے کہ ''جب ان کے سامنے اللہ کا ذکر کیا جاتا ہے تو اُن کے رونگھٹے کھڑے ہو جاتے ہیں اور کھالیں نرم پڑ جاتی ہیں''۔ یہ میرے شیخ کا فیض ہے کہ میرے شیخ جب کسی کے قلب پر متوجہ ہوتے تو اُس کا قلب ذکر کرنے لگتا اور وہ بلا ارادہ ڈھاڑیں مار کر رونے لگتا۔

☆ ذکر اطمینانِ قلب کا اعلیٰ ترین ذریعہ ہے اور اس ذریعہ سے انسان قرب الٰہی کے مختلف مراحل طے کرتا ہے۔ رہا یہ معاملہ کہ کوئی بات سامنے نہیں آ رہی تو یہ ایک واہمہ ہے۔ انسان جو لذت اور احساسِ قرب ذکر کے بعد محسوس کرتا ہے وہ بہت ہی قیمتی چیز ہے۔ یہ بات کیا کم ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی یاد کی توفیق عطا فرمائی۔

☆ تصوف صرف اور صرف دردِ دل کا نام ہے۔ تصوف کو ایک علم کے طور پر جاننا کوئی خوبی نہیں بلکہ راہ سے ہٹانے والی چیز ہے۔ سارا مسئلہ یہ ہے کہ جو شاہ رگ سے نزدیک چھپا بیٹھا ہے اُس سے تعلق قائم کرنا ہے اور ایسا صرف اور صرف شیخ سے والہانہ محبت کے ذریعہ ہی ہو سکتا ہے۔ اس راہ میں اضطراب اور احساسِ بے چارگی اور درد و سوزِ آرزومندی ہی اصل متاع تصور کی جاتی ہے۔

☆ غمِ یار جو درد ہمیں عطا کرتا ہے اُس کے نتیجے میں اشک ہائے ندامت جاری ہو جاتے ہیں' تو یہی ہماری اصل دولت ہے اور سرمایۂ آخرت ہے۔ یہ سب کچھ ہمیں اپنے شیخ پیر و مرشد کی جوتیوں کے طفیل حاصل ہوتا ہے۔

☆ جب انسان یہ سمجھ لے کہ یہ سب کچھ کسی غیبی طاقت کی طرف سے ہو رہا ہے تو صرف اس وقت اس کا نفس بے جان ہوتا ہے۔ فکر اور ڈر اُس میں سے نکلنے لگتے ہیں۔ یہ کوئی فوری عمل نہیں ہے' بتدریج انسان میں واقع ہوتا ہے۔ جب سب کچھ اللہ تعالیٰ کی مرضی ہی سے ہوتا ہے تو پھر فکر کیسا۔ جو کچھ ہو رہا ہے یا جو ہوگا' بہتر ہی ہوگا۔

☆ جب انسان رضائے الٰہی کے تابع ہو جاتا ہے تو در حقیقت ذاتِ واحد کا پرستار بن جاتا ہے اور یہی توحید ہے۔ عقل اس صورتحال کی دشمن ہے وہ ظاہری اسباب پر تکیہ کرتی ہے اور انسان کو پھنسا دیتی ہے۔ دراصل ہماری حیثیت ایسی ہی ہے جیسے سمندر میں ایک قطرے کی۔ وہ خود سمندر کا ایک حصہ ہوتے ہوئے بھی اپنی مرضی سے کوئی حرکت نہیں کر سکتا۔

☆ مراقبہ کی کیفیت میں سالک کے لیے ضروری ہوتا ہے کہ خود کی نفی ہو جائے اور اپنے شیخ ہی کو اپنی جگہ حاضر

در عدم کے بُود مارا خود طلب	بے سبب کردی عطائے ہا عجب
عدم میں کب ہمارا کچھ مطالبہ تھا	تُو نے بغیر مانگے عجیب نعمتیں عطا فرما دیں

سمجھے۔ مقصد یہ ہوتا ہے کہ ہر وقت قربِ شیخ کا احساس دل پر غالب رہے۔

☆ تصور کسی تصویر کو ذہن میں فٹ کرنے کا نام نہیں۔ اپنے شیخ کے قریب ہونے کا احساس ہی دراصل اس راستے میں سالک کو آگے لے جاتا ہے۔

☆ آپ دیکھیں کیا آپ پر یہ اللہ تعالیٰ کی بے پایاں رحمت نہیں کہ آپ اپنی عبادات سے مطمئن نہیں ہیں۔ جس وقت انسان کو اپنے باطن کی گندگی کا احساس ہونے لگ جاتا ہے تو یہ بہت بڑی عنایت اور کرم کی بات ہوتی ہے۔

☆ ایک بات یاد رکھنے کی ہے کہ کوئی بھی روحانی مقام اپنی کوشش سے حاصل نہیں ہوتا۔ ایسا صرف اور صرف رحمتِ خداوندی سے حاصل ہوتا ہے۔ ہمارا فرض صرف اتنا ہوتا ہے کہ اپنے آپ کو زیادہ سے زیادہ حاضر رکھنے کی تگ ودو میں مصروف رہیں۔ کیونکہ ہمارے اختیار میں تو صرف یہی بات قابلِ ذکر ہے۔ اپنی ذات سے الگ ہوکر کسی کا تصور کرنے سے کچھ حاصل نہیں ہوتا۔

☆ اللہ تعالیٰ جب چاہتا ہے اپنے قُرب کی لذت سے آشنا کر دیتا ہے۔ ہمارا کام تو اپنے آپ کو عاجزی کے کمترین درجے تک لے جانا ہے۔ جب انسان اپنے آپ کو بالکل بے بس پاتا ہے تو رحمت کا ظہور ہوتا ہے۔ ہمارا کام تو اپنے آپ کو پیش کرنا ہے۔ جب ہم اپنے پیرو مرشد کے سامنے ایک حقیر تنکے کی طرح پیش ہوتے ہیں تو کرم ہو جاتا ہے۔

☆ یہ بات یاد رکھنے کی ہے کہ کوئی بھی رُوحانی مقام اپنی محنت یا کوشش سے حاصل نہیں ہوتا۔ یہ صرف اور صرف رحمتِ خداوندی سے ہی حاصل ہوتا ہے"۔

☆ آپ فرماتے ہیں کہ "تصوف صرف اور صرف دردِ دل کا نام ہے۔ تصوف کو ایک علم کے طور پر جاننا کوئی خوبی نہیں ہے بلکہ راہ سے ہٹانے والی سوچ ہے۔ اصل مقصد تو یہ ہے کہ جو شہ رگ سے بھی نزدیک چھپا بیٹھا ہے اُس سے تعلق قائم کیا جائے اور یہ شیخ سے والہانہ محبت کے ذریعہ ہی ممکن ہوسکتا ہے۔

آپ نے ساری زندگی لوگوں کو جوڑا ہی ہے۔ اگرچہ اس کام میں آپ کو بہت سی تلخیوں کا بھی سامنا کرنا پڑا۔ لیکن اب پتا چلتا ہے کہ آپ کی شروع ہی سے رواداری اور درگذر کرنے کی عادت کتنی زیادہ ٹھیک تھی۔ یہاں پر مجھے حضرت بابا فرید الدین گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ کی ایک حکایت یاد آتی ہے کہ کسی عقیدت مند نے آپ کو تحفہ میں قینچی دی تو آپ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: یہ نہیں بلکہ سوئی دو۔ اُس نے عرض کیا کہ سرکار میں سوئی بھی لے آؤں گا۔ تو آپ رحمۃ اللہ علیہ نے ارشاد فرمایا کہ فقیر کو سوئی اور قینچی

اے خُدائے رازدانِ خوش سُخن | عیب کارِ بد زما پنہاں مکُن
اے رازداں، شیریں کلام خدا! | بُرے کام کا عیب ہم سے پوشیدہ نہ رکھ

دونوں کی حاجت نہیں۔ قینچی کاٹتی ہے، سوئی جوڑتی ہے، بندہ اس وقت جس منصب پر فائز ہے اِس کا تقاضا لوگوں کو جوڑنا ہے نا کہ کاٹنا۔ لہٰذا میں کوئی ایسی چیز کیسے قبول کر سکتا ہوں کہ جو کاٹنے والی یا الگ الگ کرنے والی ہو۔

خود نمائی و خود ستائی سے فرار

سیّدی و مرشدی کا خود نمائی اور خود ستائی سے فرار اور عاجزی اِس درجہ کی ہے کہ کبھی کبھی تو حیرت ہونے لگتی ہے۔ جب اپنے مرید کا کسی سے تعارف کروانا پڑ جائے تو کہیں گے کہ یہ مجھ سے محبت رکھتا ہے یا کہ یہ میرے حضرت کے سلسلہ سے ہے۔ ''انوار العلوم'' کی طباعت کا جب آخری مرحلہ آیا تو میں نے پوچھا کہ حضرت! سرورق پر آپ کا نام کیا لکھا جائے؟ جواب ملا: ''جو مناسب سمجھو لکھ دو''۔ میں نے آپ کے نام سے پہلے حضرت اور قبلہ کے القابات لکھ دیے۔ جب آپ نے دیکھا تو فرمایا: ''میں آپ کے لئے تو حضرت اور قبلہ ہو سکتا ہوں مگر دیگر پڑھنے والوں پر تو یہ مسلط کرنے والی بات ہوگی''۔ پیرِ طریقت لکھنے سے بھی منع فرما دیا۔ تو پھر آخر کار میں نے ضد پکڑ لی کہ آپ کے نام سے پہلے صوفی لکھ دیتے ہیں۔ تو فرمانے لگے کہ ''میں صوفی ہونے کا کس طرح خود سے دعویٰ کر دوں۔ صوفیاء کرام رحمۃ اللہ علیہم کی فہرست میں تو بہت پاکیزہ ہستیوں کے اسمائے گرامی آتے ہیں۔ میں از خود اپنا نام اُس فہرست میں کس طرح سے لکھ یا لکھوا سکتا ہوں''۔

ایک طرف میرا اصرار اور دوسری طرف اُن کا پیار بھرا انکار۔ یہ بات میری عقل و سمجھ سے بالاتر تھی اور میرا دل و دماغ اِس بات کو تسلیم کرنے کو تیار نہ تھے کہ میرے آقائے نعمت کا نام بغیر القاب کے سرورق پر چھپے۔ میں نے جان بوجھ کر اِس معاملے کو لٹکائے رکھا۔ کیونکہ مجھے اُن کی شفقت پر مان تھا اِس لئے اُمید تھی کہ حضرت کا دل پسیج جائے گا اور وہ ہماری اِس معصوم خواہش کا احترام کرتے ہوئے کسی نہ کسی القاب کی منظوری دے دیں گے۔ آخر کار تقریباً تین ہفتے کی کشمکش کے بعد حضرت نے فرمایا کہ ''میں تم کو قطعاً کسی قسم کے القابات لکھنے کی اجازت نہیں دیتا اور اگر آپ اپنی مرضی کرنا چاہتے ہیں تو پھر جو جی میں آتا ہے لکھ دیں''۔ بس پھر کیا تھا جب ہم نے مزاجِ یار میں یہ برہمی دیکھی تو فوراً عرض کیا کہ حضرت جو آپ فرماتے ہیں وہی ہمیں پسند ہے۔ تو پھر آپ نے اپنا نام محمد عالم امیری لکھنا پسند فرمایا اور اب آپ کی جن لوگوں سے پہچان 'انوار العلوم' کے حوالہ سے ہوئی وہ سب آپ کو امیری صاحب کہہ کر مخاطب کرتے ہیں۔ اب سوچتا ہوں کہ کسی بھی شخص کی اِس سے بڑھ کر خوش قسمتی کیا ہو سکتی ہے کہ وہ اپنے محبوب کی نسبت سے پکارا جائے۔

اِسی طرح کا معاملہ کتاب میں تصویر شامل کرنے پر بھی پیش آیا۔ یہ تصویر میں نے حضرت کی تقریباً لاعلمی ہی میں بنوائی

عیبِ کارِ نیک را منما بما　　　تا نگردیم از روشِ سَرد و ہَبا
ہمیں اچھے کام میں کوئی عیب نہ دکھا　　　تا کہ ہم اُس کی وجہ سے نیکیوں میں سست نہ پڑ جائیں

تھی۔ آپ کا کہنا تھا کہ میں نے ایسا کونسا کارنامہ سرانجام دیا ہے کہ میری تصویر کتاب میں چھپے لیکن اِس معاملے کو میں نے اِس طرح سے سنبھالا کہ حضرت اپنے صاحبزادوں کے پاس امریکہ جانے والے تھے تو میں نے اُن سے عرض کیا کہ میں اِس کو ذمہ داری سے دیکھ لوں گا۔ تصویر شامل کرنے کا میرا مقصد صرف یہ تھا کہ میں لوگوں کو دکھا سکوں کہ اللہ کریم نے میرے مرشد پاک کو حُسنِ سیرت کے علاوہ حُسنِ صورت بھی عطا کیا ہے۔

حُلیہ مُبارک

آپ کا قد قدرے نکلتا ہوا۔ چہرہ بیضوی گولائی لیے ہوئے۔ آنکھیں بہت روشن اور گہری ہیں اور اُن میں ایک ٹھہراؤ اور سکون رہتا ہے۔ چہرے پر ایک دلفریب مسکراہٹ کھیلتی رہتی ہے۔ چال بہت پُروقار، نپی تلی اور متوازن۔ لباس صاف ستھرا اور نفیس استعمال کرتے ہیں۔ عام طور پر شلوار کرتہ استعمال کرتے ہیں۔ موسم گرما اور محافل میں تہبند بھی استعمال کرتے ہیں۔ گرمیوں میں ٹھنڈی اور سردیوں میں گرم واسکٹ استعمال فرماتے ہیں۔ آنکھوں پر خوبصورت چشمہ استعمال فرماتے ہیں۔ سر پر عام طور پر سلسلہ عالیہ کا تاج مبارک یا قراقلی ٹوپی (جیسی کہ آپ کے شیخ پیرومرشد استعمال کیا کرتے تھے) پہنتے ہیں۔ گرمیوں میں سفید رومال کندھوں پر اس طرح سے رکھتے ہیں کہ اُس کا ایک سرا گردن کے گرد لپٹا ہوا سینے پر لٹک رہا ہوتا ہے اور دوسرا سرا کمر پر۔ سردیوں میں اکثر و بیشتر سفید کی بجائے ڈبی رومال استعمال فرماتے ہیں۔ پاؤں میں عام طور پر آرام دہ میکشن جوتا، سینڈل یا دیسی جوتی پہنتے ہیں۔

یوں تو ہر سالک کے لیے اُس کا شیخ بہت خوبصورت ہوتا ہے مگر ہمارے حضرت واقعی بہت خوبصورت ہیں۔ رنگ گورا ہے۔ داڑھی مبارک اور زلفیں سفید ہیں۔ آپ کی زلفیں قدرے گھنگھریالی ہیں۔ بتقاضائے عمر سر کے اگلے حصہ پر بال کم ہیں۔ اِن سب سے آپ کی شخصیت بہت پُروقار ہو جاتی ہے۔ دل چاہتا ہے کہ اُن کے چہرے کو تکتے رہیں۔ بقول آپ کے ایک عقیدت مند ”آپ کے چہرے پر نور یوں برستا ہے جیسے شیشے کے گلاس کے باہر برف کی وجہ سے شبنم ظاہر ہوتی ہے“۔

مَیں نئیں سب توُں

آج کے اِس خودنمائی اور خودستائی کے دور میں جب کہ ہر کوئی اپنے چھوٹے سے چھوٹے کام کا صلہ لینے میں مصروف ہے۔ سیّدی و مرشدی قبلہ محمد عالم امیری مدظلہ کے خیالات ملاحظہ فرمائیں جو کہ اُنہوں نے مجھے ”ٹورنٹو سے تیسرے ایڈیشن کی اشاعت کے موقع پر ایک خط میں لکھے۔ ”انوار العلوم“ کے پہلے ایڈیشن ۱۹۹۹ء سے لے کر آٹھویں ایڈیشن ۲۰۰۸ء تک حضرت تقریباً دو سال پاکستان میں اور دو سال اپنے

صاحبزادوں کے پاس امریکہ و کینیڈا میں رہتے تھے۔ میرے ایک خط کے جواب میں آپ جو الفاظ لکھتے ہیں۔ یہ الفاظ حاصلِ گفتگو ہیں کیونکہ یہ الفاظ تکلفاً یا رسماً نہ تھے کیونکہ تکلف تو غیروں اور انجانوں سے ہوتا ہے اور میں تو اُن کے گھر کا غلام تھا۔ سیّدی و مرشدی لکھتے ہیں۔

''آپ کا خط ملا۔ مجھے اس کا بہت انتظار تھا۔ آپ کو لکھنے کا سلیقہ خوب آتا ہے۔ میں تو لکھنے لکھانے کے کام میں بالکل پھسڈی ہوں۔ آج تک یہ بات میری سمجھ میں نہیں آئی کہ ''انوار العلوم'' کیسے مکمل ہوئی۔ میرا دل نہیں مانتا کہ میں نے یہ کتاب مرتب کی ہے۔ ایک تو آپ اور کاشف کی ہلاشیری سمجھ میں آتی ہے اور دوسری دل نے جس بات کو مانا ہے وہ یہ ہے کہ کوئی اور میری انگلیوں کے ذریعے یہ کام سرانجام دیتا رہا۔ شاید اس بے نام کا نام مشہور کرنا مقصود ہو۔ مالک کی بے بہا عنایات کا شکریہ ادا کرنا بھی ممکن نہیں کہ مجھے شکریہ ادا کرنے کا سلیقہ ہی نہیں ہے''۔

اور اب جبکہ نہم ایڈیشن چھپنے کو ہے اور یہ کتاب مثنوی مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ کی پہچان بن چکی ہے کہ جو کوئی مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ کو پڑھنا چاہتا ہے اس کو پڑھتا ہے۔ نہ صرف پاکستان کے ہر ہر حلقے میں بلکہ دنیا کے دوسرے خطوں میں بھی جہاں جہاں پر اُردو پڑھی جاتی ہے اس حسین کاوش کو بہت سراہا جا رہا ہے۔ علمائے کرام، مشائخ عظام، دانشوروں، ادیبوں، اہل دل و اہل عشق خواتین و حضرات اور عام پڑھے لکھے لوگوں کے ایسے تعریفی و توصیفی فون اور خطوط آتے ہیں کہ نہایت خوشگوار حیرت ہوتی ہے اور جب حضرت کو ان سب سے مطلع کیا جاتا ہے تو حضرت ابھی بھی یہی فرماتے ہیں کہ پتا نہیں یہ سب کیسے ہو گیا۔ مجھے تو اگر کسی خط کا جواب لکھنا پڑ جائے تو ہفتہ بھر لکھنے کا ذہن بناتا رہتا ہوں۔ یہ سب مالک کے کام ہیں۔

آپ بھی سوچ رہے ہوں گے کہ مضمون تو کتاب اور صاحب کتاب سے متعلق ہے اور تذکرہ ابھی تک صاحب کتاب سیّدی و مرشدی قبلہ محمد عالم امیری مدظلہ اور اُن کے پیر و مرشد حضرت سیّدنا خواجہ محمد امیر الدین رحمۃ اللہ علیہ کا ہی ہو رہا ہے۔

تو عرض ہے کہ مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ نے ایک حکایت میں بیان کیا ہے کہ ''دو قسم کے بھڑوں نے ایک ہی جگہ سے کھایا لیکن ایک نے صرف ڈنک اور ایک نے شہد دیا۔ دونوں قسموں کے ہرنوں نے ایک ہی جگہ سے گھاس کھائی اور پانی پیا لیکن ایک سے گوبر بنا اور ایک سے مُشک۔ دونوں نرسلوں نے ایک ہی جگہ سے پانی پیا لیکن ایک کھوکھلی اور دوسری شکر سے بھری ہوئی''۔

(انوار العلوم دفتر اوّل)

دمبدم پابستۂ دامِ نوایم
ہم ہر وقت ایک نئے جال میں گرفتار ہیں

ہر یکے گر باز و سیمرغے شویم
اگرچہ ہم سب باز اور سیمرغ بن جائیں

انوارُالعلوم مولانا روم ﷫ کے مندرجہ بالا فرمودات کی روشنی میں ذرا غور کریں کہ یہ جو'انوار العلوم' میں رُوحانی بیماریوں کے لئے (ہر مرض کی دوا) شہد کی سی تاثیر ہے۔ تشنگانِ علم وہدایت کی پیاس بجھانے اور رُوح کو تروتازگی اور فرحت بخشنے کے لئے گنے کے رس کے جامِ صحت ہیں اور دیدارِ حق کی مشتاق رُوحوں کے لئے یار کی مُشک کی سی خوشبو کی لپٹیں آتی ہیں۔ تو ان سب کا سبب سیّدی ومرشدی قبلہ محمد عالم امیری مدظلہ کی ذات ہے کہ جس نے مثنوی جیسی نورانی کتاب کے ترجمہ کو نورٌ علیٰ نور بنا دیا اور جب سیّدی ومرشدی قبلہ محمد عالم امیری مدظلہ کی ذات کے اندر جھانک کر یہ کھوج لگانے کی کوشش کرتے ہیں کہ ان سب خوبیوں کا منبع اور وجہ تسمیہ کیا ہے تو اُن کے اندر سے آواز آتی ہے کہ۔

مَیں نئیں بولدی ، مَیں نئیں بولدی، مَیں وِچ میرا یار بولدا

اس لئے اُن کے یارو محبوب یعنی امیر الاولیاء ﷫ کی حیات مبارکہ کے چند گوشوں پر بھی روشنی ڈالنی پڑتی ہے تاکہ قارئین کو اس حسین ودلربا تصنیف کی وجہ حسن ودلربائی کا پتا چل سکے۔ یہ اُسی طرح ہے کہ جس طرح صاحبِ مثنوی حضرت مولانا جلال الدین محمد رومی ﷫ اپنے آپکو اور اپنی مثنوی کو سراسر آئینہ شعاع شمس تبریزی ﷫ سمجھتے ہیں اور جن کی نسبت یہ شعر نہایت مشہور ہے۔

مولوی از خود نہ شُد مولائے رُوم
تا غلامِ شمس تبریزی نہ شُد

کسی بھی تصنیف کا اصل زبان سے کسی دوسری زبان میں ترجمہ اور خاص کر شاعری کا ترجمہ اس لحاظ سے بہت ہی مشکل کام ہوتا ہے کہ ترجمہ میں آپ اصل عبارت یا اشعار کا دوسری زبان میں مفہوم تو واضح کر سکتے ہیں۔ لیکن اُس عبارت یا شاعری کے ترجمہ کی رُوح یا باطنی احساسات ایسے نہیں ہو سکتے جیسے کہ اصل عبارت یا اشعار کے ہوتے ہیں۔ بلکہ اکثر اوقات تو اُس کی رُوح ہی مجروح ہو جاتی ہے۔ مثلاً آپ بابا بلھے شاہ ﷫، عبدالطیف بھٹائی ﷫ یا عبدالرحمان جامی ﷫ کے کلام کا کوئی بھی شعر پڑھ کر دیکھیں کہ آپ کے احساسات کیا ہیں۔ پھر اُس شعر کا کسی بھی دوسری زبان میں ترجمہ پڑھیں۔ آپ کو خود محسوس ہوگا کہ اصل شعر نے تو دل کے تار چھیڑ دیئے جب کہ اُس کے ترجمہ سے ایسا کچھ نہ ہو سکا۔

'انوار العلوم' کی سب سے بڑی خوبی یہی ہے کہ یہ مولانا روم ﷫ کے نغمہ معرفت یعنی مثنوی مولوی معنوی ﷫ کے وہی ساز آپ تک پہنچاتی ہے۔ جو کہ مولانا روم ﷫ نے چھیڑے تھے۔

می رہانی ھر دمے مارا و باز تُو ہمیں ہر وقت چھڑاتا ہے اور پھر	سُوئے دامے می رویم اے بے نیاز ہم کسی اور جال کیطرف چل دیتے ہیں اے بے نیاز!

مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ صاحبِ حال بزرگ تھے۔ مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ اور اُن کی تصنیف ''مثنوی شریف'' کو صحیح طور پر جاننے کے لئے صاحبِ حال ہونا ضروری ہے۔ یہ صاحبِ قال کے بس کی بات نہیں۔ ''انوار العلوم'' اُردو نثر مثنوی مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ میں جو ''مثنوی شریف'' کی حقیقی ترجمانی ہو سکی اُس کی وجہ صاحبِ کتاب (قبلہ محمد عالم امیری مدظلہ) کا صاحبِ حال ہونا ہے۔ آپ مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ کی مثنوی شریف میں بیان کردہ مسلک وحدت الوجود کے حقیقی ترجمان ہیں۔ گویا کہ آپ رومیٔ دوراں ہیں۔ آپ نے اپنے علم وعرفان اور لبریز رُوحانی تعلیم سے رموزِ تصوف کو اس احسن انداز میں سپردِ قلم کیا ہے کہ قارئین کیف ومستی کے بحرِ متلاطم میں غوطہ زن ہو جائیں۔ ترجمہ ہذا انسانی قلوب پر اسی طرح اثر کرتا ہے جیسے اصل اشعار''۔

'انوار العلوم' کے پیش لفظ میں سیّدی ومرشدی قبلہ محمد عالم امیری مدظلہ لکھتے ہیں کہ ''انوار العلوم' کے مطالعہ سے اگر کسی صاحبِ دل کے بھُس میں اِس کی ایک چنگاری لگ گئی اور اُسے وارفتگیٔ ذوق حاصل ہوگئی تو سمجھوں گا کہ میری محنت ٹھکانے لگی''۔ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ یہ بات ثابت ہوتی گئی کہ اللہ کریم نے حضرت قبلہ کی اِس خواہش کو اس طرح پایۂ تکمیل تک پہنچایا کہ 'انوار العلوم' نے صاحبِ دل لوگوں کے بھُس میں چنگاریاں تو کیا الاؤ روشن کر دیے۔

بقول احمد کامران صاحب ''مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ کے مقام ومنزلت اور فکری سرمائے پر اُردو، فارسی، عربی، ترکی اور انگریزی میں بڑا وقیع کام ہوا ہے اور آئندہ بھی نامعلوم مدت تک ہوتا رہے گا۔ ایران میں پروفیسر آقائے بدیع الزمان فروزانفر نے ''زندگانی مولانا جلال الدین محمد رحمۃ اللہ علیہ'' نامی گرانقدر کتاب لکھی ہے۔ لیکن مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ کی ذاتِ گرامی اور اُن کے فن و فکر پر برصغیر میں جو عظیم الشان کام ہوا ہے اِس کا جواب نہیں۔ شبلی نعمانی رحمۃ اللہ علیہ نے مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ کے مستند سوانح لکھے ہیں اور اُن کی فنی عظمتوں پر روشنی ڈالی ہے۔ حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ نے مثنوی کی شرح لکھی ہے۔ اُن کے علاوہ حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ، مولانا ابوالکلام آزاد رحمۃ اللہ علیہ، علامہ محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ، مولانا عبدالماجد دریا آبادی رحمۃ اللہ علیہ، حضرت تلمذ حسین گورکھپوری، شمس بریلوی رحمۃ اللہ علیہ اور قاضی سجاد حسین صاحب نے مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ کے افکار عام کرنے میں جو غیر معمولی کردار ادا کیا ہے وہ ہمیشہ تابندہ رہے گا۔ اب اِس سلسلۃ الذھب میں مثنوی کے گراں قدر ترجمے کے ساتھ جناب محمد عالم امیری مدظلہ بھی شامل ہوگئے ہیں۔

جناب محمد عالم امیری مدظلہ نے ترجمے کا روایتی انداز اختیار نہیں کیا ہے۔ یعنی ایک طرف اشعار درج کرکے دوسری

گر ہزاراں دام باشد ہر قدم | چُوں تُو با مائی نباشد ہیچ غم
اگر ہر قدم پر ہزاروں جال بھی ہوں | جب تُو (اے اللہ) ہمارے ساتھ ہے تو کچھ غم نہیں

طرف پہلو بہ پہلو ترجمے کی عبارت نہیں لکھی۔ اِس طرح تسلسل میں خلل پڑتا ہے اور ترجمہ کی تاثیر ضعیف ہو جاتی ہے۔ اِس کے برعکس جلیل القدر مترجم نے مثنوی کی سبق آموز داستانیں اور واقعات پورے تسلسل، سادگی اور سلاست سے بیان کر دیئے ہیں۔ ترجمے کا یہ اسلوب اتنا آسان بامحاورہ اور اثر انگیز ہے کہ اِسے معمولی پڑھا لکھا شخص بھی بخوبی سمجھ سکتا ہے اور ایمان کی پختگی اور حُسنِ عمل کا سبق سیکھ سکتا ہے۔ فی الجملہ یہ ایک باکرامت ترجمہ ہے۔ جس میں مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ کی رُوح پُر فتوح بولتی دکھائی دیتی ہے۔ اِس ترجمے کے لئے جناب محمد عالم امیری مدظلہ ہمیشہ ہمارے شکروسپاس کے مستحق رہیں گے۔

مدت ہوئی مثنوی پڑھی تھی، بعد کو مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ کا چیدہ چیدہ کلام وقتاً فوقتاً پڑھنے اور سُننے کی سعادت میسر آتی رہی لیکن مثنوی کے بالاستیعاب مطالعے کا موقع دوبارہ نہ ملا۔ اب جو جناب محمد عالم امیری مدظلہ کا ترجمہ دیکھا تو مولانا رحمۃ اللہ علیہ کے علوم زیادہ وضاحت سے منکشف ہو کر سامنے آئے۔ جوں جوں پڑھتا گیا، دل کی حالت بدلتی چلی گئی اور پھر وہی عالم طاری ہو گیا جو کبھی علامہ محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ پر طاری ہوا تھا اور اُنہوں نے یہ لافانی شعر کہا تھا۔

من حضورِ آں شہِ والا گہر
بے ہُنر مردے بہ دربارِ عُمر رضی اللہ عنہ!

علامہ محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ فرشِ تخیل پر چلتے چلتے بارگاہ عُمر رضی اللہ عنہ تک جا پہنچے تھے، خاکسار کو جناب محمد عالم امیری مدظلہ کے فیضانِ ترجمانی نے مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ کے حضور لا کھڑا کیا۔

کہاں ہم کہاں یہ مقام اللہ اللہ

محمد عالم امیری مدظلہ اِس سے زیادہ اور کیا کر سکتے تھے۔ آگے اپنی ہمت ہے۔ جو بھی مولانا کے مواعظ سے فائدہ اُٹھائے گا۔ استقامت سے کام لے گا اور راہِ عمل پر آگے بڑھے گا وہ جمالِ حق کے جلوؤں سے ضرور فیضیاب ہو گا۔

'انوار العلوم' سے استفادہ کے لئے ادب اور توجہ شرطِ لازم ہے۔ اپنی سہولت کے مطابق کوئی وقت مقرر کر لیجئے اور 'انوار العلوم' کا پابندی سے مطالعہ کیجئے۔ اِس کا ایک ایک حرف رہنمائی کی قندیل ہے۔ خاص طور پر وہ حکایات پورے اِنہماک سے پڑھیے جن میں اللہ کی ذاتِ عالی پر ایمان، توکل کی حقیقت اور حضور رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کے غایت درجہ ادب واحترام پر زور دیا گیا ہے۔ ایک حکایت میں مولانا رحمۃ اللہ علیہ نے بتایا ہے کہ ایک بدقسمت شخص نے ختمی مرتبت صلی اللہ علیہ وسلم کا اسم مبارک زبان پر لاتے وقت ادب کے تقاضے ملحوظ نہ رکھے تو اُس کا منہ ہی ٹیڑھا ہو گیا۔ (اُردو ڈائجسٹ ستمبر ۲۰۰۴ء)

احمد کامران صاحب کی جمالِ حق کے جلووں سے فیض یاب ہونے والی بات زورِ قلم کا نتیجہ نہیں بلکہ یہ ایک جیتی جاگتی حقیقت ہے کہ 'انوار العلوم' کے پہلے ایڈیشن سے لے کر نویں ایڈیشن یعنی ابھی تک مجھے لاتعداد لوگوں کے فون، خطوط اور بالمشافہ تاثرات ملے ہیں۔ جو کہ بیان کرتے ہیں کہ اس کے مطالعہ سے ہم پر کیسی کیسی رُوحانی کیفیات اور وارداتیں طاری ہوئیں۔ بہت سے لوگوں کو نہایت واجب الاحترام اور برگزیدہ ہستیوں کی زیارت ہوئی۔ بہت سے لوگوں نے یہ کہا کہ اس کے مطالعہ کے وقت ہم واضح طور پر ایک نور اپنے اندر داخل ہوتے دیکھ سکتے ہیں۔ بہت سے لوگوں کا یہ بھی کہنا تھا کہ اس کتاب میں قبلہ محمد عالم امیری مدظلہ کا فیض جلوہ گر ہے اور ہم اس سے فیض یاب ہوتے ہیں۔

کوئی بھی اسکو ایک مرتبہ پڑھ کر آرام سے نہیں بیٹھتا۔ جس نے ایک بار پڑھنا شروع کیا اُس نے اس کا مطالعہ اپنے معمولات میں شامل کر لیا۔ کیونکہ کہا جاتا ہے کہ جو کتاب اور تصنیف متواتر بار بار پڑھنے کے لائق نہیں وہ مطلق پڑھنے ہی کے لائق نہیں۔ کیونکہ بعض کتابیں چکھ لینے کے قابل ہوتی ہیں، بعض نگل لینے کے قابل اور بہت تھوڑی ایسی ہوتی ہیں کہ جن کو چبانے اور ہضم کر کے جزوِ بدن بنانے کی ضرورت ہوتی ہے۔ کامل مرشد کے بعد اچھی کتاب سے بہتر رفیق اور رہنما کوئی نہیں ہو سکتا۔ اُس کی شناخت یہ ہے کہ اُس کے بار بار پڑھنے سے دل میں نئے نئے معارف اور اسرار پیدا ہوں اور طبیعت کبھی اُس سے سیر نہ ہو۔ کامل کتاب کے دو رُخ ہوا کرتے ہیں ایک تفسیری اور دوسرا تاثیری۔ کتاب کا تفسیری رُخ یہ ہوا کرتا ہے کہ کتاب کے معنی میں سے پڑھنے والے کے دماغ میں نئی نئی معلومات اور نادر و نایاب معارف و اَسرار کھلتے جاتے ہیں اور اُس کا تاثیری رُخ یہ ہوتا ہے کہ کتاب کی عبارت و حروف و الفاظ میں مصنف اور اہلِ کتاب کی رُوح اور نور سرائیت کئے ہوئے ہوتے ہیں اور جس وقت پڑھنے والا صرف عبارت اور خالی الفاظ کو بار بار پڑھتا اور زبان سے تکرار کرتا ہے تو مصنف اور اہلِ کتاب کی رُوح اور نور پڑھنے والے کے دل اور دماغ کی طرف متوجہ ہوتے ہیں اور اہلِ مطالعہ کا دل اور دماغ بلاوجہ اور بلاواسطہ مصنفِ کامل کی توجہ اور نور سے معمور اور بھرپور ہو جاتا ہے۔ یعنی کامل مصنف کے دل اور حروف کی برقی رو حروف و الفاظ اور عبارت کی تاروں میں بھری ہوتی ہے۔ جس وقت اہلِ مطالعہ اپنے لب و لسان سے اِن تاروں کو چھیڑتا ہے تو فوراً وہ برقی رو پڑھنے والے کے جسم اور جان میں سرائیت کر جاتی ہے اور اُس کے دل و دماغ کے بلبوں کو بلا وجہ یکدم روشن کر دیتی ہے۔ یہ کوئی کتابی باتیں نہیں ہیں بلکہ یہ سب وہ عملی اثرات ہیں جو کہ 'انوار العلوم' کے مطالعہ سے حاصل ہوتے ہیں اور انشاء اللہ آپ کو بھی حاصل ہوں گے۔

مِنگر اندر ما مکُن در ما نظر	اندر اِکرام و سخائے خود نگر
ہمیں نہ دیکھ، ہم پر نظر نہ کر	اپنے اِکرام اور سخاوت کو دیکھ

چراغِ علم جلاؤ

یہاں میں اِس بات کی وضاحت کرنا بھی بہت ضروری سمجھتا ہوں کہ جب 'انوار العلوم' کا تیسرا ایڈیشن چھپنے کو تھا تو سیّدی و مرشدی نے امریکہ جانے سے پہلے مجھے فرمایا کہ ''اگر اِس کتاب کے مزید ایڈیشن چھپتے ہیں اور اُن میں سے کچھ نفع بھی ہوتا ہے تو میں یا میری فیملی کا کوئی ممبر اِس رقم کا حقدار نہ ہوگا۔ آپ اِس طرح کرنا کہ اُس رقم سے کسی بھی ایسے طالبِ علم کی مدد کر دینا جو کہ بہت لائق ہو اور معاشی مسائل کے سبب اعلیٰ تعلیم حاصل نہ کر پا رہا ہو''۔ سو میں نے بہت تحقیق اور سوچ و بچار کے بعد 'انوار العلوم' کے شروع میں یہ لکھ دیا کہ اِس کتاب کا نفع حضرت قبلہ کی طرف سے ''کاروانِ علم فاؤنڈیشن'' کو دیا جائے گا۔ اِس ادارے کا مقصد ذہین و فطین مگر نادار طالب علموں کی مالی اعانت ہے۔ یہ ادارہ اُردو ڈائجسٹ کی انتظامیہ کی ایک نیک کاوش ہے۔ سیّدی و مرشدی قبلہ محمد عالم امیری مدظلہ کے چھوٹے بھائی محترم شکور عالم صاحب جو کہ امریکہ میں ایک ٹریول ایجنسی کے مالک ہیں۔ امریکہ و کینیڈا میں اِس ادارے کے سرپرست اعلیٰ بھی ہیں۔ تیسرے ایڈیشن کی اشاعت کے فوراً بعد چند ایسے ہی مستحق طالبانِ علم نے مجھ سے رابطہ کیا۔ اگرچہ 'انوار العلوم' سے کوئی قابلِ ذکر آمدنی تو نہ ہوئی تھی مگر کچھ مخلص احباب کی مدد سے اُن طالبانِ علم کے اعلیٰ تعلیمی سفر میں اُن کی مدد ہو رہی ہے اور اُن طالبانِ علم سے یہ اُمید رکھتا ہوں کہ وہ بھی چراغ سے چراغ جلانے کا حق ادا کرتے ہوئے علم کے مزید چراغ روشن کریں گے۔ اِس موقع سے فائدہ اُٹھاتے ہوئے میں قارئین سے گزارش کروں گا کہ وہ بھی اِس نیک کام اور معاشرے کی بہت ہی اہم ضرورت کی طرف توجہ دیں۔ اگر مناسب سمجھیں تو ''کاروانِ علم فاؤنڈیشن'' سے رابطہ کریں یا پھر اپنے گرد و نواح میں علم کے ایسے ڈبڈباتے ہوئے چراغ کی از خود حفاظت کر کے پاکستان کا مستقبل روشن کریں۔

مہنگائی کے اِس بڑھتے ہوئے طوفان میں 'انوار العلوم' کے (حسبِ سابق) معیار کو برقرار رکھتے ہوئے لاگت کو کم کرنے کے لیے اپنے مخلص و شفیق احباب کے مشورہ پر موجودہ یعنی نہم ایڈیشن میں طباعت کے اعتبار سے ایک تبدیلی کی ہے۔ اِس کے رنگین حاشیے کو ختم کر کے کتاب کا سائز تھوڑا چھوٹا کر دیا ہے۔ اِس ایڈیشن کی کمپوزنگ' خوبصورت اور جدید سافٹ ویئر پر نئے سرے سے کی گئی ہے۔ کمپوزنگ' کاغذ' پرنٹنگ اور جلد بندی کے معیار کو حسبِ سابق بہت ہی اعلیٰ رکھا گیا ہے۔

ڈیلکس ایڈیشن

اللہ کریم کو منظور ہوا تو بڑے سائز میں آرٹ پیپر پر چار رنگوں کی خوبصورت و دیدہ زیب پرنٹنگ والا ایک ایسا ''ڈیلکس'' ایڈیشن چھاپنے کا ارادہ ہے جو کہ باطنی کمالات کے ساتھ ساتھ ظاہراً

بھی آرٹ کا ایک باکمال نمونہ ہو۔ دُعا ہے کہ اللہ کریم مجھے اور سب قارئین کو آسانیاں عطا فرمائے اور آسانیاں تقسیم کرنے کا شرف عطا فرمائے۔ (آمین)

سیّدی و مرشدی قبلہ محمد عالم امیری مدظلہ فرماتے ہیں: ''جس کسی نے 'انوار العلوم' کی اشاعت و تبلیغ کے لئے جو بھی خدمت کی ہے اُس کی جزا تو میرے رَبّ ہی کے پاس ہے اور میرے خیال میں جو سب سے اچھی دعا اُن سب کے لئے کی جاسکتی ہے وہ یہ ہے کہ اللہ کریم اُن سب کی اِس کاوش کو قبول فرمائے اور آخری سانس تک اُن سب کے ذوقِ لطیف میں اضافہ فرماتا رہے'' (آمین)

اِس مضمون کے اختتام پر میں شاہ حسین رحمۃ اللہ علیہ کے کلام ''صاحب تیری بندی آں، چنگی آں یا مندی آں'' کا ایک شعر کچھ ترمیم کے ساتھ اپنے آقائے نعمت سیّدی و مرشدی قبلہ محمد عالم امیری مدظلہ کی نذر کرتا ہوں۔

کہے حُسین فقیر سائیں دا، مَیں وَر چنگے نال منگی آں
مَندی آں مَیں مَندی آں، مَندی آں مَیں مَندی آں

اپنے آقائے نعمت کی شفقتوں کا اُمیدوار
محمد اظہر سبحانی
جنوری ۲۰۰۹ء
(برموقع طبع نہم)

پیش لفظ

میں چاہتا ہوں کہ مولانا رومؒ کے مختصر حالاتِ زندگی بھی تحریر کر دوں تاکہ قارئین کو اس نابغۂ روزگار ہستی کے بارے میں معلوم ہو سکے۔

مولانا کا اسمِ گرامی محمد جلال الدین اور آپ کے والد ماجد کا نام محمد بہاؤالدین تھا جو کہ اپنے زمانے کے سلطان العلماء اور مشہور اولیائے کاملین میں سے تھے۔ مولانا جلال الدین رومیؒ ۶ ربیع الاول ۶۰۴ھ کو بلخ میں پیدا ہوئے۔ کاملین کے گھرانے میں پرورش پانے کی وجہ سے مولاناؒ کو شروع ہی سے علم میں مناسبت اور عبادتِ خداوندی کی طرف رغبت پیدا ہو گئی۔ مولانا بہاؤالدین کی عوام میں مقبولیت کی وجہ سے بعض اشخاص اُن سے حسد کرنے لگے اور بادشاہِ وقت کے کان بھرنے لگے تاکہ انہیں کسی طرح بے عزت کیا جائے۔ مولانا بہاؤالدین دُور اندیش بزرگ تھے۔ اُنہوں نے بلخ چھوڑ دیا۔ حجِ بیت اللہ اور روضۂ نبویؐ پر حاضری کے ارادے سے چلے۔ پہلے بغداد پہنچے جہاں شیخ المشائخ شیخ شہاب الدین سہروردیؒ نے خیر مقدم کیا اور آپ شیخ ہی کے مہمان رہے۔ مولانا رومیؒ کو اس طرح بچپن ہی میں حج کی سعادت نصیب ہوئی۔ حج سے فراغت کے بعد آذربائیجان اور لارندہ میں قیام فرمایا۔ ترکی کے سلطان علاؤالدین سلجوقی کی درخواست پر قونیہ منتقل ہو گئے۔

مولانا رومؒ کی عمر اُس وقت بیس برس تھی۔ کچھ ہی عرصے کے بعد مولانا بہاؤالدین کا انتقال ہو گیا اور وہ اُن کے قائم مقام اور سجادہ نشین بنے۔ اٹھارہ سال ہی کی عمر میں مولانا کی شادی ہو چکی تھی جس سے دو صاحبزادے پیدا ہوئے۔ بڑے کا نام بہاؤالدین اور لقب سلطان ولد تھا۔ وہ بھی اپنے زمانے کے کاملین میں سے ہوئے ہیں۔ مولانا نے انہیں اُس وقت کے ولیِ کامل شمس تبریزیؒ کو روم لانے کے لئے بھیجا۔ حضرت نے دعوت کو قبول فرمایا اور گھوڑے پر سوار ہو کر اُن کے ہمراہ ہوئے۔ سلطان ولد نے ادباً سارا سفر پیدل ہی کیا۔ قونیہ پہنچ کر شمس تبریزی نے اُن کی بہت تعریف کی جس سے مولانا روم بہت مسرور ہوئے اور بیٹے کے حق میں دعائیں کیں۔ حضرت شمس تبریزیؒ نے فرمایا ہمارے پاس دو چیزیں تھیں ایک سَر اور دوسری سِر۔ سَر کو مولانا روم کے لئے فدا کرتے ہیں اور سِر بہاؤالدین کو دیتے ہیں۔ مولانا روم کے دوسرے بیٹے علاؤالدین تھے اور وہ شمس تبریزی سے بغض رکھتے تھے۔ اسی لئے انہوں نے ۶۴۵ھ میں انہیں قتل کر دیا۔ مولانا روم شمس تبریزی کے قتل کے بعد ہمیشہ انہیں یاد کرتے رہے اور اُن کی محبت میں فنائیت کی حد تک غرق ہو گئے اور ہر چیز سے لاتعلق ہو گئے لیکن آپ کی اس محویت کو حسام الدین ضیاء الحق چلپی نے اپنی بے پناہ محبت کے ذریعے توڑا۔ یہ حسام الدین ہی تھے جنہوں نے مولانا سے مثنوی جیسی شہرۂ آفاق کتاب لکھوائی۔ مثنوی میں وہ مولانا حسام الدینؒ کا ذکر بہت ہی

اے مُبدّل کردہ خاکے را بزر	خاکِ دیگر را بکردہ بُوالبشر
اللہ کے پاس قُدرت ہے کہ خاک سے سونا بنا دے	اور دُوسری سے اپنا محبُوب تیار کر دے

محبت کی کثرت کے ساتھ کرتے ہیں۔ مولانا فرماتے ہیں کہ مثنوی کو پڑھنے والا انسان اگر فقر کے کمال کو نہ بھی پہنچے پھر بھی شیطان کے ہتھکنڈوں سے ضرور محفوظ ہو جاتا ہے۔ آخر کار ۵ جمادی الثانی ۶۷۲ھ کو مولانا نے وصال فرمایا اور قونیہ ہی میں دفن ہوئے۔ آپ کے مزار پر اب بھی لوگ حاضر ہو کر سکونِ قلب کی دولت پاتے ہیں۔

مثنوی مولانا روم شریعت و طریقت کے رموز و اسرار کا بیش بہا خزانہ ہے۔ دراصل تزکیۂ نفس کے بغیر انسان محض اپنے علم کے ذریعے وہ رموز سمجھنے سے قاصر رہتا ہے اور یہی نامکمل علم فرقہ بندیوں کا باعث بنتا ہے جس کی وجہ سے عام لوگوں کے دِل شکوک و شبہات کی دلدل میں پھنس کر اصل مقصد یعنی قربِ الٰہی کی دولت سے محروم رہتے ہیں۔ شریعت اور طریقت میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔ علامہ اقبالؒ نے فرمایا ہے "طریقت یعنی تصوف یہ ہے کہ انسان تہِ قلب میں احکامِ شرعی کی حقانیت کا اور صداقت کا احساس کرے"۔ یہی عشقِ حقیقی کی راہ ہے۔ اربابِ شرع تکالیفِ شرعی کی غایت سے آگاہ ہوں یا نہ ہوں احکام شرعی بجا لاتے ہیں لیکن اہلِ تصوف وجدان کے ذریعے شرعی احکام کی حقانیت سے باخبر ہو جاتے ہیں اور حقیقی لذت سے فیض یاب ہوتے ہیں۔

چونکہ دِل کے سکون کا تعلق قلبی وجدان سے ہے اس لئے عبادت میں لذت کے حصول کے لئے شریعت کے ساتھ ساتھ طریقت کا ہونا لازمی امر ہے۔ بلکہ طریقت دراصل شریعت کے احکام کی تکمیل ہی کا نام ہے۔ کشف اور وجدان کے ذریعے ادراکِ حقیقت کے بعد صوفی صحیح معنوں میں عاشق بنتا ہے اور اس کی یہی رغبت اسے احکام خداوندی پر دِل سے عمل کراتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ مولانا نے مثنوی میں جوہرِ عشق کی تعریف کی ہے۔ علامہ اقبالؒ فرماتے ہیں

عقل و دِل و نگاہ کا مرشدِ اولین عشق
عشق نہ ہو تو شرع و دیں بت کدۂ تصورات

مثنوی کے نفسِ مضمون کے بارے میں بھی مولاناؒ ارشاد فرماتے ہیں۔

من ز قرآں برگزیدم مغز را	پوست را پیشِ سگاں انداختیم
جُبّہ و دستارِ علم قیل و قال	جملہ در آبِ رواں انداختیم
از کمالِ شوقِ تیرِ معرفت	راست کردہ بر نشاں انداختیم

اِس کا مفہوم یہ ہے کہ میں نے قرآن پاک میں سے مغز نکال کر مثنوی میں پیش کر دیا ہے اور اِن احکامات پر بحث نہیں کی جن کو علمائے سُو نے بحث کا موضوع بنا کر جھگڑے اور تفرقے ڈال دیئے۔ میں نے عشق کی بدولت معرفت کا تیر سیدھے نشانے یعنی دلوں پر مار دیا ہے۔

کارِ تو تبدیلِ اعیان و عطا
اے مالک تو ہر چیز کو تبدیل کر سکتا ہے

کارِ من سہو است و نسیان و خطا
میری بھول کو اور دوسری کمزوریوں کو عطا بدل دے

تصوف کے موضوع پر پہلی کتاب ”حدیقۃ الحقیقت“ نامی تھی جو کہ حکیم سنائیؒ کی تصنیف تھی اور مثنوی مولانا رومؒ کو اِس سلسلے کی خاتم تصور کیا جاتا ہے۔ مثنوی کی تصنیف میں حسام الدین چلپیؒ کو بہت دخل ہے۔ مولاناؒ اُن سے اِس قدر محبت فرماتے تھے کہ جہاں اُن کا ذکر کرتے ہیں معلوم ہوتا ہے اپنے شیخِ طریقت کا ذکر کر رہے ہیں۔ یہ کتاب چھ دفتروں میں لکھی گئی ہے۔ مثنوی کو جس قدر مقبولیت اور شہرت ملی فارسی کی اور کسی کتاب کو نہ مل سکی۔ اِس کی بے شمار شرحیں بھی لکھی گئیں۔ مثنوی کا بڑا حصہ اُن باطنی مسائل کے بارے میں ہے جو بعض اوقات بڑے بڑے علماء کی سمجھ میں بھی مشکل ہی سے آ سکتے ہیں۔ اِس کے باوجود مثنوی کے اشعار واعظوں کی گرمئ محفل کا سبب بنتے ہیں۔ فارسی زبان میں جس قدر کتابیں نظم و نثر میں لکھی گئی ہیں کسی میں بھی ایسے دقیق اور نازک مسائل اور اسرار بیان نہیں کئے گئے۔

مولاناؒ نے قصے کہانیوں اور لطائف کی چاٹ پر لگا کر عوام کو بھی یہ مسائل بآسانی سمجھانے کی راہ اختیار کی ہے۔ مثنوی کے مضامین کا ماحصل یہ ہے کہ دِل ایک جوہرِ نورانی ہے اور دراصل انسان اِسی کا نام ہے محض جسم کا نہیں اور وہی محلِ نورِ الٰہی ہے۔ پارۂ گوشت جسے ہم دِل کہتے ہیں وہ اصل دِل نہیں ہے۔ اُسی دِل کے بارے میں مولاناؒ فرماتے ہیں۔

آئینۂ دِل چوں شود صافی و پاک　　　نقش ہا بینی بروں از آب و خاک
سِرِّ من از نالۂ من دور نیست　　　لیکن چشم و گوش را آں نور نیست

مولاناؒ اپنی حکایتوں میں بڑے بڑے نتیجے نکالتے ہیں جو براہِ راست دِل پر اثر انداز ہوتے ہیں۔ مثنوی کی بڑی خوبی اِس کا یہی طرزِ استدلال اور طریقۂ افہام ہی ہے۔ تصوف کے مشکل ترین مسائل کو ایسی نادر اور قریب الفہم مثالوں سے سمجھایا ہے کہ بقدرِ امکان اُن کی حقیقت عام قاری کی بھی سمجھ میں آ جاتی ہے یا کم از کم اُن کے امکان کا یقین ہو جاتا ہے۔ حاصل یہ کہ جیسے آنکھ میں قوتِ باصرہ، ناک میں شامہ، زبان میں گویائی، دِل میں شجاعت وغیرہ اِسی طرح کا تعلق رکھتی ہیں کہ جس کو نہ متصل کہہ سکتے ہیں نہ منفصل نہ قریب نہ دور۔ اِسی طرح کا تعلق جسم سے اور خدا کا مخلوقات سے ہے۔ مثلاً اگر انسان کی صفتِ انسانیت فنا ہو جائے تو وہ صفاتِ الٰہی کا مظہر بن جاتا ہے۔

مولانا نے حکایتوں کے ضمن میں نفسِ انسانی کے جن پوشیدہ اور دُور از نظر عیوب کو ظاہر کیا ہے۔ عام لوگوں کی نگاہیں وہاں نہیں پہنچ سکتیں اور اُن کو بیان کچھ اِس طرح سے کیا گیا ہے کہ انسان حکایت کو پڑھ کر بے اختیار کہہ اُٹھتا ہے کہ یہ تو خاص میری ہی باطنی حالت کا ذکر ہے۔ انجیل میں ہے کہ اے بنی آدم تو اوروں کی آنکھ میں موجود تنکا تو دیکھتا ہے لیکن تجھے اپنی آنکھ

سہو و نسیان را مُبدّل کُن بعلم　　　من ہمہ خشم مرا کُن صبر و حلم
میری بھول جانے کی عادت کو علم میں　　　اور دُوسری بُری خصلتوں کو صبر اور بُردباری میں بدل دے

کا ہشتیر نظر نہیں آتا۔ ہم دوسروں میں جو عیب دیکھتے ہیں وہ ہمیں بد نما لگتے ہیں۔ ہم کو اُن سے نفرت ہو جاتی ہے لیکن ہم یہ خیال بالکل نہیں کرتے کہ یہی عیب خود ہم میں بھی موجود ہیں۔ اسی طرح آج مسلمان جو نمونہ دُنیا کے لوگوں کے سامنے پیش کر رہے ہیں اُس سے تو غیر اقوام میں اسلام کا کوئی روشن تصور ظاہر نہیں ہوتا۔ الغرض مثنوی عقائد۔ اخلاق اور علم الکلام سے متعلق بہترین کتاب ہے۔

میں نے مثنوی کا مطالعہ شروع کیا تو ایسے محسوس ہوا جیسے اس کے مضامین مجھ پر سحر کی سی کیفیت پیدا کرتے جا رہے ہیں۔ اکثر اوقات پڑھتے ہوئے دل کی حالت عجیب کیفیات سے دو چار ہو جاتی جن سے صرف اہلِ حال ہی لطف اندوز ہو سکتے ہیں۔ دل میں خیال آیا کہ کیوں نہ اِن مضامین کو سلیس اُردو نثر میں لکھ دیا جائے تاکہ فارسی زبان نہ سمجھنے والے حضرات بھی اِن سے لطف اندوز ہو سکیں اور اگر کسی صاحبِ دل کے قفس میں اس کی ایک چنگاری لگ گئی اور اُسے وارفتگیٔ ذوق حاصل ہو گئی تو میں سمجھوں گا کہ میری محنت ٹھکانے لگی۔ اللہ کا نام لے کر شروع کر دیا اور تین سال میں آہستہ آہستہ اِسے مکمل کیا۔ نثر کو پڑھا تو خود بھی لطف محسوس ہوا اور دیگر حضرات نے پڑھا اُنھوں نے یہی مشورہ دیا کہ اِسے ضرور چھپنا چاہیئے۔ پڑھنے والے حضرات سے گزارش ہے کہ اِس کے مطالعے سے ذوق میں گرمی پیدا ہو تو میرے لئے دُعائے خیر فرمائیں۔

عزیزان محمد اظہر سبحانی (ایم۔ بی۔ اے) اور کاشف محمود (ایم اے فارسی) کا ممنون ہوں کیونکہ اِس سلسلے میں اِن دونوں حضرات نے بہت مدد کی اور لکھنے کے لئے حوصلہ بھی بڑھاتے رہے ورنہ میں یہ کام شاید کبھی مکمل نہ کر سکتا۔ اللہ اُنہیں جزائے خیر عطا فرمائے

محمد نذر
اظہری

فون نمبر: 0306-4217489　042-36670263
S/64-4 بلاک A الفیصل ٹاؤن ضرار شہید روڈ لاہور کینٹ

سہو و نسیاں را مُبدّل کُن بعلم　　من ہمہ خلم مرا کُن صبر و حلم
میری بھول جانے کی عادت کو علم میں　　اور دُوسری بُری خصلتوں کو صبر اور بُردباری میں بدل دے

مولانا رومؒ اور توحید و عشق

(محمد عالم امیری)

مولاناؒ عشق کو ہی توحید کے ادراک کا ذریعہ سمجھتے ہیں۔ اس کے بغیر انسان موحد ہو ہی نہیں سکتا۔ توحید کوئی فلسفہ نہیں ہے بلکہ ذاتِ واحد کے قرب کے احساس کا نام ہے جو کہ صرف حال اور وجدان کے ذریعے ہی حاصل ہو سکتا ہے۔ توحید کوئی بحث یا استدلال کا موضوع نہیں ہے جب تک مختلف قسم کے تصورات و خیالات اور اوہام کے بچھونے ہمارے ذہن کو گھیرا ہوا ہو ہم وحدانیت سے بے بہرہ رہتے ہیں اور محض اپنی تصوراتی توحید کے قائل رہتے ہیں۔ ہماری انا اور غرور ہمارے اور ہمارے معبود کے درمیان بڑی رکاوٹ ہے۔ جب تک یہ رکاوٹ دور نہیں ہوتی ہمیں ذاتِ واحد کا ادراک نہیں ہو سکتا۔ عارفِ کامل بابا بلھے شاہ صاحبؒ نے اپنے اس شعر میں اس نکتے کو واضح کر دیا ہے فرماتے ہیں

غرور نوں ساڑ سُٹ تے "میں" نوں گھوٹ دیا
تن من دی سرت بھلا دے گر آپ ملے گا آ

مولانا جامیؒ فرماتے ہیں

جامی رہِ ہدیٰ بخدا غیرِ عشق نیست
گفتیم السلام علیٰ تبع الہدیٰ

صرف عشق و محبت کے ذریعے انسان کے دل میں روحانی درد پیدا ہوتا ہے اور صرف یہ درد ہی ذاتِ باری تعالیٰ تک رسائی حاصل کرنے کا راستہ ہے۔ اسی لئے ہمارے آقا سرورِ کائناتؐ نے درد و گریہ کو اپنا پسندیدہ عمل فرمایا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم تنہائی میں اکثر اوقات گریہ و زاری ہی میں گزارتے اور صحابۂ کرام کو بھی اس کی تلقین فرماتے عشق بجز رحمتِ خداوندی انسان کو حاصل نہیں ہو سکتا۔ اس کا واحد ذریعہ کوئی صاحبِ حال عاشقِ صادق مرشد ہی ہوتا ہے۔

مختلف بزرگوں نے اپنے اپنے انداز میں عشق کے کمالات کو بیان کیا ہے۔ عارفِ کامل مولانا غلام رسول عالم پوریؒ نے اپنی کتاب القصص میں فرمایا

در کمالِ زشتیم من منتہی
میں برائی کے کمال پر پہنچا ہوا ہوں

لطف تو در فضل و در فن منتہی
تیری مہربانی، فضل اور ہنر بھی انتہا درجہ کا ہے

ع عشق کرم کا قطرہ ازلی تیں ٹیں نہ وتس ناہیں
اکناں نوں لبھیاں ہتھ نہ آوے اکناں دے وچ راہیں

سلطان العارفین حضرت سلطان باہو فرماتے ہیں
ایمان سلامت ہر کوئی منگے تے عشق سلامت کوئی ہو
منگن ایمان تے شرماون عشقوں دل نوں غیرت ہوئی ہو
جس منزل تے عشق پچاوے ایمان نوں خبر نہ کوئی ہو
ساڈا عشق سلامت رکھیں باہو ایماں نوں دیاں دھروئی ہو

ایک اور جگہ فرماتے ہیں
عاشق پڑھن نماز پرم دی جیں وچ حرف نہ کوئی ہو
جیبھ نہ ہلے تے ہونٹھ نہ پھڑکن اصل نماز ہے سوئی ہو

عارفِ کامل میاں محمد بخش نے اپنی تصنیف قصہ سیف الملوک میں فرمایا
ریت وجود تیرے وچ سونا ایویں نظر نہ آوے
ہنجواں دا پانی دے محمد ریت رہی رُڑھ جاوے

مزارِ مولانا روم پر مولانا عبدالرحمٰن جامی کا یہ شعر عمارت کے صدر دروازے پر لکھا ہوا نظر آتا ہے
کعبۃ العشاق باشد این مقام
ہر کہ ناقص آمد این جا شد تمام

یعنی عاشقوں کے لئے یہ مقام کعبے کی طرح ہے کہ جہاں ناقصوں کو کامل بنا دیا جاتا ہے۔ علامہ اقبال فرماتے ہیں
پیرِ رومی مرشدِ روشن ضمیر
کاروانِ عشق و مستی را امیر
پیرِ رومی را رفیقِ راہ ساز
تا خدا بخشد ترا سوز و گداز

(پیرِ رومی روشن ضمیر مرشد ہیں۔ یہ عشق کے کارواں کے سردار ہیں۔ پیرِ رومی کو اپنے راستے کا رفیق بنا لے تاکہ اللہ تجھے سوز و گداز بخش دے)

الغرض بقول حضرت علامہ محمد اقبال
عقل و دل و نگاہ کا مرشدِ اولین عشق
عشق نہ ہو تو شرع و دیں بتکدۂ تصورات

امیرالاولیاء حضرت سیدنا خواجہ محمد امیر الدین رحمۃ اللہ علیہ

ولادتِ باسعادت

شیخِ طریقت، عمیم الاحسان، خواجہ خواجگان، امیر کاروانِ ولایت، امیرالاولیاء حضرت سیدنا خواجہ محمد امیر الدین قادری چشتی ابوالعلائی جہانگیری شکوری ہادوی رحمۃ اللہ علیہ کی ولادتِ باسعادت 1905ء میں ٹاہلی کھجوروالا ضلع جالندھر (ہندوستان) میں ہوئی۔ آپ کے والدِ ماجد کا اسمِ گرامی محترم غلام جیلانی رحمۃ اللہ علیہ تھا اور وہ سلسلہ عالیہ نقشبندیہ شریف میں بیعت تھے۔ اُن کا تعلق شیخ گھرانے سے تھا اور وہ قالین فروشی کے کاروبار سے وابستہ تھے۔

تعلیم و ذریعہ معاش

حضرت سیدنا خواجہ محمد امیر الدین رحمۃ اللہ علیہ کے والدِ ماجد آپ کے بچپن ہی میں انتقال فرما گئے تھے۔ اُن کے وصال کے بعد آپ کی کفالت آپ کے بڑے بھائی محترم عبدالعزیز صاحب نے فرمائی۔ آپ نے جالندھر ہی میں میٹرک تک تعلیم حاصل کی۔ آپ کے بڑے بھائی بھی قالینوں کے کاروبار سے وابستہ تھے۔ تعلیم سے فراغت کے بعد آپ نے اپنے بڑے بھائی کا کاروبار میں ہاتھ بٹانا شروع کیا اور جلد ہی اس کام میں مہارت حاصل کر لی۔ آپ قالین فروشی کا کاروبار کچھ اس طرح سے کرتے تھے کہ مہنگے اور نفیس قالین افغانستان وغیرہ سے خریدتے اور پھر ہندوستان بھر کی چھاؤنیوں میں فوجی افسران کو فروخت کرتے۔ راہِ طریقت میں آنے کے بعد حضرت امیرالاولیاء رحمۃ اللہ علیہ سال میں تقریباً چار مہینے کاروبار کرتے اور بقیہ وقت سلسلہ عالیہ کی خدمت کیلئے وقف کر دیتے۔

تلاشِ حق

ایک دفعہ آپ اپنے ایک کاروباری دوست سے ملنے دہلی تشریف لے گئے۔ آپ کے وہ دوست تاج الاولیاء حضرت سیدنا الشاہ محمد عبدالشکور رحمۃ اللہ علیہ سے بیعت تھے۔ باتوں ہی باتوں میں طریقت اور درویشی پر بھی گفتگو ہونے لگی۔ اِس سے آپ کے دل میں طریقت کے بارے میں بہت دلچسپی پیدا ہوئی اور دل و دماغ نے یہ سمجھ لیا کہ پیرومرشد کی رہنمائی کے بنا دین و دنیا میں چلنا محال ہے اور آپ کے دل میں پیرِ کامل کی تلاش کی تحریک پیدا ہوئی۔ اب آپ جب بھی دوسرے شہروں کے کاروباری دوروں پر تشریف لے جاتے تو وہاں کے صاحبِ نسبت بزرگوں

سبق رحمت گشت غالب بر غضب	اے بدیع افعالِ نیکو کار رب
تیری رحمت تیرے غضب پر غالب ہے	اے عجیب مہربانیاں کرنے والے رب!

سے ضرور ملاقات کرتے۔

منزلِ مقصود کی خوشخبری

تلاشِ حق کی اسی جستجو میں آپ نے ایک درویش کی شہرت سنی۔ وہ ایک محل نما کوٹھی میں مقیم تھے۔ اُن کا ایک پہلوان قسم کا لمبا تڑنگا دربان تھا۔ وہ درویش اُس دربان کو چڑیا کہہ کر پکارتے تھے۔ وہ دربان ہر نئے ملاقاتی سے اس کا نام وغیرہ پوچھتا اور جا کر درویش کو بتا دیتا۔ وہ درویش جس ملاقاتی سے ملنا چاہتے اُس کو فوراً اپنے کمرے میں بلا لیتے۔ بصورتِ دیگر وہ دربان ملاقاتی کو دس، پندرہ دن حتیٰ کہ ایک مہینے تک کیلئے ایک کمرے میں بند کر دیتا اور پھر اُس ملاقاتی کی درویش سے ملاقات ہوتی۔ یہی وجہ تھی کہ بہت کم لوگ اُس درویش کی ملاقات کو جاتے۔ تاہم اِن سب باتوں کے باوجود چونکہ آپ کے دل میں طلبِ صادق تھی۔ لہٰذا آپ اپنے ایک دوست کے ہمراہ اُن کی زیارت کو گئے۔ دربان چڑیا نے حسبِ دستور آپ کا نام وغیرہ پوچھا۔ درویش نے آپ کو اپنے کمرے میں بلا لیا۔ آپ اندر تشریف لے گئے۔ البتہ آپ کے دوست ڈر کی وجہ سے باہر ہی کھڑے رہے کہ نا جانے اندر کیا معاملہ پیش آ جائے۔

اُس درویش نے کھڑے ہو کر پر جوش طریقے سے آپ کا استقبال کیا اور اپنے پہلو میں جگہ دی۔ آپ کو سیب کاٹ کر پیش کیا اور آپ سے طریقت پر گفتگو کی اور پھر آپ کو اگلے دن آنے کو کہا۔ باہر آپ کے دوست بہت گھبرا رہے تھے کہ نامعلوم کیا وجہ ہوئی کہ میاں امیر الدین صاحب نے واپسی میں اتنی دیر کر دی۔ آپ کو دیکھ کر اُن کی جان میں جان آ گئی۔ آپ نے اپنے دوست کو ملاقات کا سارا احوال سنایا اور واپس چل دیئے۔

اگلے روز آپ پھر اُن سے ملاقات کو تشریف لے گئے لیکن آپ کے دوست نے ڈر کی وجہ سے آپ کے ساتھ جانے سے معذرت کر لی۔ درویش نے گزشتہ روز کی طرح گرمجوشی سے آپ کا استقبال کیا اور حسبِ سابق سیب کاٹ کر آپ کو پیش کیا۔ طریقت پر گفتگو ہونے لگی۔ آخر میں آپ نے اُن سے بیعت ہونے کی خواہش ظاہر کی۔ اس پر اُنہوں نے کہا کہ مجھے آپ کو بیعت کر کے خوشی ہوتی مگر آپ کا حصہ میرے پاس نہیں ہے۔ ہمارے ہاں تو "چراغ جلائے جاتے ہیں"۔ آپ کا حصہ وہاں ہے جہاں "دل جلائے جاتے ہیں"۔ اس پر آپ نے دریافت کیا کہ مجھے وہ ہستی کب اور کہاں ملے گی؟ اُنہوں نے جواب دیا کہ اطمینان رکھیں۔ آپ کو اپنا مقصود جلد ہی مل جائے گا۔ وہاں سے آپ کو منزلِ مقصود تو نہ ملی لیکن آپ جلد منزل ملنے کی خوشخبری لیے واپس لوٹے۔

تلخ تر از فرقتِ تو ہیچ نیست
تیری جُدائی سے زیادہ کڑوی چیز کوئی نہیں ہے

بے پناہت غیر پیچا پیچ نیست
تیری پناہ کے بغیر سوائے اُلجھن کے کچھ نہیں ہے

ہادیٔ برحق کی زیارت

اس واقعہ کے کچھ ہی عرصہ بعد آپ اپنے کاروبار کے سلسلہ میں چکڑوتہ پہاڑ تشریف لے گئے۔ شام کے وقت آپ سیر کیلئے باہر نکلے تو محفلِ سماع کی آواز کانوں میں پڑی۔ آپ کو اس میں ایک انجانی سی کشش محسوس ہوئی۔ اُس جانب چل دیئے۔ محفل کے باہر کھڑے ایک صاحب سے محفل میں شرکت کی اجازت چاہی۔ اُنہوں نے کہا کہ میں اپنے حضرت سے پوچھ کر بتاتا ہوں۔

اجازت ملنے پر آپ محفل سماع میں شامل ہوگئے۔ محفل پاک میں حضرت سیدنا ہادی علی شاہ رحمۃ اللہ علیہ مسند نشین تھے اور نصرت فتح علی قوال کے والد استاد فتح علی خان کلام پڑھ رہے تھے۔ (حضرت سیدنا ہادی علی شاہ رحمۃ اللہ علیہ تصوف کے مشہور رُوحانی سلسلے قادریہ چشتیہ ابوالعلائیہ جہانگیریہ شکوریہ کے شہسوار، تاج الاولیاء حضرت سیدنا الشاہ محمد عبدالشکور رحمۃ اللہ علیہ کے خلیفہ اجل تھے۔) اُس محفل میں آپ نے جان لیا کہ یہی وہ منزل ہے جس کی آپ کو تلاش تھی۔ محفل کے اختتام پر حضرت سیدنا ہادی علی شاہ رحمۃ اللہ علیہ نے آپ کو نام لے کر فرمایا کہ کانپور محلہ بیکن گنج میں آکر ہمارا پوچھ لینا "تمہارا حصہ ہمارے پاس ہے"۔

حضرت قبلہ عالمؒ سے بیعت

چکڑوتہ پہاڑ سے واپس جالندھر تشریف لانے پر آپ نے کانپور جانے کی تیاری شروع کی۔ اِسی دوران آپ کی ملاقات ایک مجذوب سے ہوئی جس نے آپ سے کہا: "میاں! جلدی کرو اور کانپور جا کر حضرت سیدنا ہادی علی شاہ رحمۃ اللہ علیہ سے ملو۔ دیر مت کرو" اِس سے آپ کی آتشِ شوق مزید بھڑک اُٹھی۔

آپ جالندھر سے براستہ دہلی کانپور تشریف لے گئے۔ حضرت سیدنا ہادی علی شاہ رحمۃ اللہ علیہ کے آستانہ عالیہ پر حاضری دی۔ خادم نے آپ کو بتایا کہ حضرت قبلہ عالم رحمۃ اللہ علیہ مغرب کے وقت تشریف لاتے ہیں۔ خادم نے حضرت قبلہ عالم رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں جا کر گزارش کی کہ ایک صاحب جالندھر (پنجاب) سے آپ کی زیارت کی تمنا لیے آئے ہیں۔ چنانچہ حضرت قبلہ عالم رحمۃ اللہ علیہ آپ کی آمد کی وجہ سے مغرب سے پہلے ہی تشریف لے آئے۔ (حضرت سیدنا خواجہ محمد امیر الدین رحمۃ اللہ علیہ اپنے پیرومرشد حضرت سیدنا ہادی علی شاہ رحمۃ اللہ علیہ کو "حضرت قبلہ عالم رحمۃ اللہ علیہ" کہہ کر یاد فرمایا کرتے تھے۔ اِس مضمون میں حضرت قبلہ عالم رحمۃ اللہ علیہ سے مراد حضرت سیدنا ہادی علی شاہ رحمۃ اللہ علیہ کی ذاتِ مبارک ہے)

دست بوسی وقدم بوسی کے بعد حضرت سیدنا خواجہ محمد امیر الدین رحمۃ اللہ علیہ نے عرض کیا کہ حضور! بندہ آپ کے حلقۂ غلامی میں شامل ہونے کی تمنا لیے حاضر ہوا ہے۔ حضرت قبلہ عالم رحمۃ اللہ علیہ نے تبسم فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا: "میاں! آپ پنجاب

در حدیث آمد کہ مومن در دعا
حدیث مُبارک میں ہے کہ مومن دُعا میں

چوں اماں خواہد ز دوزخ از خُدا
جب خُدا سے دوزخ سے امان مانگتا ہے

سے ایک لمبے سفر سے آئے ہیں۔ آپ غسل کریں، کھانا کھائیں، سفر کی تھکاوٹ دور کریں۔ آج آرام کریں، آپ کو کل بیعت کیا جائے گا"۔ حضرت سیدنا خواجہ محمد امیر الدین رحمۃ اللہ علیہ کی تمنائے طلب چونکہ انتہا پر تھی اور آپ مزید وقت ضائع کئے بغیر شرفِ غلامی حاصل کرنا چاہتے تھے۔ اس لیے آپ نے حضرت قبلہ عالم رحمۃ اللہ علیہ سے عرض کیا: حضور! معلوم نہیں کل تک کی زندگی بھی ہے یا نہیں۔ مہربانی فرمائیں اور مجھے بیعت کر لیں۔ اس پر حضرت قبلہ عالم رحمۃ اللہ علیہ نے ازراہِ شفقت فرمایا: "میاں امیر الدین! آپ بہت ہوشیار آدمی ہو۔ ہم اس بات کی ضمانت دیتے ہیں کہ کل تک آپ زندہ رہیں گے اور آپ کو کل بیعت کر لیا جائے گا"۔ اس سے اگلے روز حضرت قبلہ عالم رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے خادموں سے فرمایا: "میاں امیر الدین پنجاب سے آئے ہیں۔ ان کیلئے بازار سے تبرک لاؤ تاکہ ان کو داخل سلسلہ کیا جا سکے"۔ بعد از نمازِ عصر حضرت قبلہ عالم رحمۃ اللہ علیہ نے آپ کو سلسلہ عالیہ قادریہ چشتیہ ابوالعلائیہ جہانگیریہ شکوریہ میں بیعت فرمایا اور بنفسِ نفیس ذکرِ پاک کی تعلیم دی۔

بوقتِ بیعت آپؒ کی دلی کیفیات

اپنے بیعت ہونے کے واقعات بیان کرتے ہوئے آپ نے اپنے خدام سے فرمایا کہ "بیعت ہوتے وقت مجھ پر کیف و سرور کی ایسی حالت طاری ہوئی کہ میں نے خود کو ہوا میں اڑتا ہوا محسوس کیا۔ ذکرِ پاک کی تعلیم دیتے وقت حضرت قبلہ عالم رحمۃ اللہ علیہ نے ایسی توجہ فرمائی کہ مجھ پر بے ہوشی کی کیفیت طاری ہو گئی۔ بس پھر میری دنیا ہی بدل کر رہ گئی اور حضرت قبلہ عالم رحمۃ اللہ علیہ کی محبت کا پودا چشمِ زدن میں پروان چڑھ گیا۔ حضرت قبلہ عالم رحمۃ اللہ علیہ نے جس انداز میں مجھے تعلیم فرمائی اسی طریقے سے وہی تعلیم ہم آپ لوگوں کو دیتے ہیں اور حضرت قبلہ عالم رحمۃ اللہ علیہ نے مجھے عصر کے بعد داخل سلسلہ فرمایا تھا۔ لہٰذا اب جو بھی داخل سلسلہ ہونے کے لئے آتے ہیں اُن کو عصر کے بعد ہی داخل سلسلہ کیا جاتا ہے"۔ یہ سب بیان کرتے وقت آپ پر ایک عجب سرمستی کی سی کیفیت طاری ہو جاتی تھی۔

قبلہ عالمؒ کے آستانہ میں آپؒ کی روحانی تربیت

داخل سلسلہ ہونے کے بعد آپ حضرت قبلہ عالم رحمۃ اللہ علیہ کے آستانہ عالیہ کے ہی ہو کر رہ گئے اور سوچا کہ جب حضرت قبلہ عالم رحمۃ اللہ علیہ فرمائیں گے تو وہی وقت میری روانگی کا ہوگا۔ کئی دن بعد حضرت قبلہ عالم رحمۃ اللہ علیہ نے آپ سے فرمایا کہ "آپ پنجاب سے آئے ہیں۔ آپ کی واپسی کا کیا ارادہ ہے؟" آپ نے عرض کیا: "جب حضور ارشاد فرمائیں گے"۔ پھر کچھ دنوں بعد حضرت قبلہ عالم رحمۃ اللہ علیہ نے آپ کو دوبارہ طلب کیا اور فرمایا کہ

دوزخ از وے ہم اماں خواہد بجاں
تو دوزخ بھی اُس شخص سے امان چاہتا ہے

کہ خدایا دور دارم از فلاں
کہ اے خدا مجھے اُس شخص سے دور رکھ

''میاں امیر الدین! آپ کے گھر والے بھی ہیں۔ اُن کو کوئی اطلاع وغیرہ بھی دی ہے کہ نہیں؟ اور اُن کے اخراجات کس طرح پورے ہوتے ہوں گے۔ آپ فارغ اوقات میں کچھ کسب وغیرہ اختیار کریں اور اہلخانہ کو خرچ وغیرہ بھجوایا کریں''۔

آپ نے حضرت قبلہ عالم رحمۃ اللہ علیہ کے حسبِ ارشاد بذریعہ ٹیلی گرام اپنے گھر اطلاع پہنچادی کہ میں کانپور شریف میں ہوں اور حضرت سیدنا ہادی علی شاہ رحمۃ اللہ علیہ کی غلامی اختیار کرلی ہے۔ جب واپسی کا حکم ہوگا گھر واپس آجاؤں گا اور آپ نے وہیں پر قالین فروشی کا کاروبار بھی شروع کردیا۔

اِس طرح تقریباً چھ ماہ تک آپ اپنے شیخ پیرومرشد کے آستانہ پر رہے اور اُن سے رُوحانی فیوض وبرکات حاصل کرتے رہے۔ اِس عرصہ میں آپ کی ظاہری حالت میں بھی آپ کی باطنی حالت کی طرح انقلابی تبدیلیاں آچکی تھیں۔ داڑھی مبارک کے علاوہ زُلفیں بھی بڑھالی تھیں اور حضرت قبلہ عالم رحمۃ اللہ علیہ کے فرمان کے مطابق ایک کملی بھی کاندھوں پر ڈال لی تھی۔

دورانِ تربیت ایک دن حضرت قبلہ عالم رحمۃ اللہ علیہ بہت موج میں تھے۔ اُنہوں نے آستانہ عالیہ میں موجود خدام سے فرمایا کہ آج ہر خادم کی خواہش پوری کی جائے گی۔ جو مانگنا چاہو مانگ لو۔ سب نے اپنی اپنی خواہش وحاجت بیان کی لیکن آپ اپنی جگہ خاموشی سے بیٹھے رہے۔ حضرت قبلہ عالم رحمۃ اللہ علیہ نے پوچھا: میاں امیر الدین! آپ نے کسی خواہش کا اظہار نہیں کیا؟ تو آپ نے فرمایا: ''میری خواہش وآرزو اور مراد تو اے بندہ پرور! آپ ہی ہیں''۔ حضرت قبلہ عالم رحمۃ اللہ علیہ اِس جواب سے بہت خوش ہوئے اور آپ کو لے کر اپنے کمرہ میں آگئے۔ کچھ دیر بعد حضرت قبلہ عالم رحمۃ اللہ علیہ کمرے کا دروازہ بند کرکے خود باہر چلے گئے اور آپ کمرے میں اکیلے ہی رہ گئے۔ اِسی طرح ساری رات گزر گئی۔ اگلے دن بھی آپ وہیں رہے۔ عصر کے وقت آپ کے ایک پیر بھائی نے کمرے کا دروازہ کھولا اور آپ کو دیکھا تو کہا: بھائی چلو مسجد میں نماز پڑھ آئیں۔ آپ نے کوئی جواب نہ دیا۔ وہ صاحب آپ کو بازو سے پکڑ کر محلے کی مسجد میں نماز کیلئے لے گئے۔ مسجد میں آپ کے پیر بھائی نے وضو کرنا شروع کیا۔ اتنے میں جماعت کھڑی ہوگئی۔ امام نے جیسے ہی ''اللہ اکبر'' کہا تو آپ نے بھی بے خودی میں قدرے بلند آواز میں ''اللہ اکبر'' کہہ کر نیت باندھ لی۔ ''اللہ اکبر'' کی یہ آواز سنتے ہی تمام نمازیوں اور امام مسجد پر کیفیتِ وجد وحال طاری ہوگئی۔ آپ کے پیر بھائی نے وضو کرتے ہوئے یہ سب دیکھا تو بھاگم بھاگ حضرت قبلہ عالم رحمۃ اللہ علیہ کے

جُز تو پیشِ کہ بر آرد بندہ دست — ہم دُعا و ہم اِجابت از تو است

تیرے سوا بندہ کس کے سامنے ہاتھ اُٹھائے — آخرِ کار تو ہی تو دُعاؤں کو قبول کرنے والا ہے

آستانہ پر آئے اور اُن سے سب ماجرا بیان کیا۔ حضرت سیدنا ہادی علی شاہ رحمۃ اللہ علیہ مسجد میں تشریف لے گئے اور جیسے ہی ایک نظر سب کو دیکھا تو سب واپس اپنی اصل حالت میں آ گئے۔

اپنے اُن شب و روز کی کیفیت بیان کرتے ہوئے آپ فرماتے تھے کہ ''حضرت قبلہ عالم رحمۃ اللہ علیہ نے کچھ ایسی خصوصی توجہ اور کرم نوازی فرمائی کہ میری زندگی یکسر تبدیل ہو کر رہ گئی۔ اُن کی ذات میں ایسی فنائیت حاصل ہوئی کہ ہر وقت اُن کا چہرہ مبارک سامنے رہنے لگا۔ کوئی لمحہ کیف و مستی کی کیفیت سے خالی نہ گزرتا لیکن پھر بھی دل یہی چاہتا کہ آقا و مولا کے رُو برو رہوں اور اُن کا رُخِ زیبا تکتا رہوں۔

بقول بو علی قلندر رحمۃ اللہ علیہ

منم محوِ جمالِ اُو نمی دانم کجا رفتم
شُدم غرقِ وصالِ اُو نمی دانم کجا رفتم

ترجمہ: میں اُس کے خیال میں اتنا محو ہوں کہ مجھے اپنی بھی خبر نہیں رہی، اُس کے وصال میں ایسے غرق ہوں کہ مجھے اپنی بھی خبر نہیں۔

کام کے آدمی

آپ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ ایک مرتبہ میں حضرت قبلۂ عالم رحمۃ اللہ علیہ کے کمرے میں نماز ادا کر رہا تھا۔ جب میں سجدے میں گیا تو دونوں سجدوں کے درمیان قدرِ جلدی کی اور درمیان میں پوری طرح وقفہ نہ کیا۔ نماز کے بعد حضرت قبلہ عالم رحمۃ اللہ علیہ فرمانے لگے کہ میاں امیر الدین! جو کام کے آدمی ہوتے ہیں اور جن کو آگے لے جانے کے لیے تیار کیا جاتا ہے تو اُن کی ہر بات کی نگرانی کی جاتی ہے۔ اِس لیے ٹھیک طریقے سے نماز ادا کیا کرو۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ سیّدنا ہادی علی شاہ رحمۃ اللہ علیہ کی امیر الاولیاء حضرت سیّدنا خواجہ محمد امیر الدین رحمۃ اللہ علیہ پر نظرِ خاص تھی۔

جالندھر واپسی

اِس طرح چھ ماہ کی رُوحانی تربیت کے بعد حضرت سیدنا ہادی علی شاہ رحمۃ اللہ علیہ نے آپ کو گھر واپسی کا حکم فرمایا۔ جب اپنے گھر پہنچ کر آپ نے دروازے پر دستک دی (چونکہ آپ کا حلیہ مبارک یکسر تبدیل ہو چکا تھا) تو گھر والے پہلی نظر میں آپ کو پہچان نہ سکے۔ آپ کی زوجہ محترمہ نے آپ کی صاحبزادی کو آواز دے کر کہا کہ دیکھو باہر کوئی بابا کھڑے ہیں اُن کو کچھ خیرات وغیرہ دے دو۔ آپ کی صاحبزادی محترمہ زبیدہ بی بی پلیٹ میں کچھ لے کر آپ کو دینے آئیں تو آپ نے فرمایا: ''بیٹی زبیدہ! یہ آپ ہو؟ آپ نے تو مجھے پہچانا ہی نہیں''۔ اب

ہم ز اوّل تو دہی میلِ دُعا
تُو ہی ہمیں دُعا کی طرف متوجہ کرتا ہے

تو دہی آخر دُعا ہا را جزا
آخر کار تُو ہی دُعاؤں کی جزا عطا کرتا ہے

جب آپ کی صاحبزادی صاحبہ نے نظر اُٹھا کر آپ کو دیکھا تو ابو جی کہہ کر آپ سے لپٹ گئی اور سارے گھر میں خوشی کی لہر دوڑ گئی۔

آپ کے آنے کی خبر سُن کر آپ کے عزیز و اقارب آپ سے ملنے کیلئے آنے لگے اور آپ کے ظاہر و باطن میں ہونے والی اس عظیم تبدیلی کو دیکھ کر بہت متاثر ہوئے۔ آپ ہر ملنے والے سے اپنے پیر و مرشد حضرت سیدنا ہادی علی شاہ رحمۃ اللہ علیہ کی تعریف و توصیف کرتے اور فرماتے کہ یہ سب اُن کی نظرِ کرم کا نتیجہ ہے۔ ہر وقت حضرت قبلہ عالم رحمۃ اللہ علیہ کا تذکرہ آپ کی زبان پر رہتا۔

امّاں جی حضورؒ کو حضرت قبلہ عالمؒ کی زیارت

ایک دن آپ کی زوجہ محترمہ نے آپ سے فرمایا کہ آپ کی زبانی آپ کے پیر و مرشد اور آقائے نعمت کا تذکرہ سن کر مجھے بھی اُن کی زیارت کا اشتیاق ہے۔ اگر وہ اتنی ہی اعلیٰ و ارفع ہستی ہیں تو ہمیں بھی اُن کی زیارت کروائیں تاکہ میں بھی اُن کے جلووں سے فیضیاب ہو سکوں۔

آپ نے اپنی زوجہ سے فرمایا کہ آپ میرا کمبل اوڑھ کر لیٹ جائیں۔ اگر سرکار کو منظور ہوا تو کرم فرمائی ہو جائے گی۔ اماں حضور (آپ کی زوجہ محترمہ) آپ کا کمبل اوڑھ کر لیٹ گئیں اور آپ کمرے سے باہر تشریف لے گئے۔ اب حضرت قبلہ عالم رحمۃ اللہ علیہ کی یہ کرم نوازی ہوئی کہ جونہی اماں حضور نے کمبل اوڑھا' اُن پر غنودگی طاری ہو گئی۔ اُنہیں حضرت قبلہ عالم رحمۃ اللہ علیہ کی زیارت نصیب ہوئی اور حضرت قبلہ عالم رحمۃ اللہ علیہ نے اماں حضور سے فرمایا: ''میاں امیر الدین اب ہمارے ہو گئے ہیں۔ آپ کو بھی ہمارے پاس آ جانا چاہئے''۔ اس کیفیت کے ختم ہوتے ہی اماں حضور ہیبت زدہ روتی ہوئی کمرے سے باہر آئیں اور آپ سے کہنے لگیں کہ میں نے حضرت قبلہ عالم رحمۃ اللہ علیہ کی زیارت کر لی ہے۔ اُنہوں نے حاضری کا حکم دیا ہے۔ اب ہمیں اُن کی خدمت میں لے جانا آپ کے ذمہ ہے۔ اِس پر حضرت سیدنا خواجہ محمد امیر الدین رحمۃ اللہ علیہ نے سب اہلِ خانہ کو متنبہ کیا کہ سرکار نے میری لاج رکھ لی ہے اور اپنا دیدار نصیب فرما دیا ہے لیکن آئندہ کیلئے ایسی کوئی بھی بات بہت سوچ سمجھ کر کی جائے اور حضرت قبلہ عالم رحمۃ اللہ علیہ کو بلاوجہ تکلیف نہ دی جائے۔

سونا بنانے کا عمل

ایک دفعہ آپ مالی پریشانیوں میں مبتلا تھے۔ جب حضرت سیدنا ہادی علی شاہ رحمۃ اللہ علیہ جالندھر میں آپ کے ہاں تشریف لائے تو آپ سے فرمایا کہ پانی لاؤ۔ آپ نے پانی پیش کیا تو پانی پی کر

اے اخی دست از دُعا کردن مدار   با اِجابت یا رَدِ اُویت چہ کار
اے بھائی! دُعا کرنے سے اپنا ہاتھ نہ ہٹا   اُس کی منظوری یا نامنظوری سے کیا واسطہ

حضرت قبلہ عالم رحمۃ اللہ علیہ آپ کو لے کر دوسرے کمرے میں چلے گئے اور فرمایا: میاں! ہمیں سونا بنانا آتا ہے۔ تم یہ عمل سیکھ لو اور اپنی ضرورت کے مطابق بنالیا کرنا۔ آپ نے عرض کیا: حضور! بندہ سونا بنانا سیکھنے کیلئے آپ کی غلامی میں نہیں آیا۔ اس کے بعد حضرت قبلہ عالم رحمۃ اللہ علیہ نے ٹین کا ایک بکس کھولا جو کہ نئے کرنسی نوٹوں سے بھرا ہوا تھا۔ اُنہوں نے آپ سے فرمایا کہ جتنی رقم کی ضرورت ہے لے لو۔ آپ نے پھر عرض کیا کہ حضور میں دولت و دنیا کی طلب میں آپ کی خدمت میں حاضر نہیں ہوا۔ اس پر حضرت قبلہ عالم رحمۃ اللہ علیہ نے پانچ روپے کا ایک نوٹ آپ کو عطا فرمایا اور پوچھا کہ یہ کافی ہے۔ تو آپ نے عرض کیا: حضور! یہ بہت کافی ہیں۔ چنانچہ آپ نے اُن روپوں سے دوبارہ کاروبار شروع کیا اور اُس میں مالک نے اتنی زیادہ برکت عطا فرمائی کہ ساری مالی دشواریاں ختم ہوگئیں اور بہت سی رقم پس انداز بھی ہوگئی۔

حضرت قبلہ عالمؒ کا وصال

حضرت سیدنا خواجہ محمد امیر الدین رحمۃ اللہ علیہ کو اپنے شیخ پیر و مرشد کی ظاہری صحبت بہت زیادہ عرصہ تک میسر نہ آسکی۔ 27 رجب المرجب 1361ھ بمطابق 11 اگست 1942ء بروز منگل بوقت ساڑھے دس بجے صبح حضرت سیدنا بادی علی شاہ رحمۃ اللہ علیہ اس جہان فانی سے پردہ فرما گئے۔ اُن کا خطاب غیبی امام الاولیاء تھا۔ تاہم اُنہوں نے وصال سے پہلے حضرت سیدنا خواجہ محمد امیر الدین رحمۃ اللہ علیہ کو سلسلہ عالیہ کی خلافت واجازت سے نواز دیا تھا۔

مزار شریف حضرت قبلہ عالمؒ

1939ء میں جب حضرت قبلہ عالم رحمۃ اللہ علیہ طلاق محل کانپور شریف میں تشریف فرما تھے تو ایک دن چہل قدمی کرتے ہوئے اُس جگہ تشریف لے گئے جہاں اب آپ کا مزار مبارک ہے۔ آپ نے حضرت سیدنا خواجہ محمد امیر الدین رحمۃ اللہ علیہ سے فرمایا کہ کسی وقت اس جگہ پر بڑی عالیشان عمارت بنے گی۔ آپ کے وصال مبارک کے کچھ ہی عرصہ بعد آپ کے فرمان کے مطابق اسی جگہ آپ کا دربارِ عالیہ بڑی شان وشوکت سے تعمیر کیا گیا۔ اِس دربارِ عالیہ کی اپنی ایک الگ ہی شان ہے۔ عقیدت مند یہاں سے دن رات فیض حاصل کرتے ہیں۔ یہاں پر باقاعدگی سے محافل درود وسلام اور سماع منعقد ہوتی ہیں۔

حضرت سیدنا تاج الاولیاءؒ کی شفقت و محبت

حضرت سیدنا خواجہ محمد امیر الدین رحمۃ اللہ علیہ اپنے پیر و مرشد کی ظاہری جدائی کی وجہ سے بہت اداس وغمزدہ رہا کرتے تھے تو آپ کے دادا مرشد تاج الاولیاء حضرت سیدنا الشاہ محمد عبد الشکور رحمۃ اللہ علیہ نے رُوحانی طور پر آپ سے فرمایا:

اے اَخی دست از دُعا کردن مدار	با اِجابت یا رَدِ اُوَیت چہ کار
اے بھائی! دُعا کرنے سے اپنا ہاتھ نہ ہٹا	اُس کی منظوری یا نامنظوری سے کیا واسطہ

"میاں امیر الدین! ہمارے پاس چلے آؤ۔ ہم میں اور ہادی علی شاہ میں کوئی فرق نہیں ہے۔ ہمیں بھی وہی سمجھو"۔ چنانچہ بعد میں آپ نے زیادہ وقت اپنے دادا مرشد کے زیرِ سایہ گزارا اور آپ نے اپنی ساری توانائیاں اُن کے لئے وقف کر دیں۔

بادی النظر میں حضرت سیدنا ہادی علی شاہ رحمۃ اللہ علیہ کے جلد وصال پا جانے اور زیادہ عرصہ صحبتِ شیخ حاصل نہ ہونے کی وجہ سے حضرت سیدنا خواجہ محمد امیر الدین رحمۃ اللہ علیہ کی تربیت کی تکمیل میں جو کمی رہ گئی تھی وہ حضرت تاج الاولیاء رحمۃ اللہ علیہ کی صحبت سے پوری ہوگئی اور اُن کی نگاہِ کیمیا اثر نے آپ کو ایک ماہِ کامل بنا دیا۔ آپ نے اپنے دادا مرشد کیلئے تن من اور دھن کی قربانی سے بھی دریغ نہ کیا اور جی جان سے خدمت کی۔ سردیوں میں حضرت تاج الاولیاء رحمۃ اللہ علیہ کو وضو وغیرہ کے لئے پانی گرم کر کے دینا آپ کی ذمہ داری تھی اور آپ نے اس میں کبھی ناغہ نہ ہونے دیا۔ اس کے علاوہ بھی ہر قسم کی خدمت کے لئے ہمہ وقت تیار رہتے تھے۔

حضرت تاج الاولیاءؒ کی جالندھر تشریف آوری

تاج الاولیاء حضرت سیدنا محمد عبد الشکور رحمۃ اللہ علیہ سکندر آباد (یو۔ پی) میں قیام پذیر تھے۔ آپ کے کچھ خلفاء کا خیال تھا کہ آپ کو سرزمینِ پنجاب میں تشریف لے جانی چاہئے تاکہ اہلِ پنجاب بھی آپ سے مستفید ہو سکیں۔ چنانچہ آپ کے کچھ خلفاء اور خدام آپ کو فیروز پور (بھارت) لے آئے۔ جب حضرت سیدنا خواجہ محمد امیر الدین رحمۃ اللہ علیہ کو اس بات کا علم ہوا تو آپ حضرت تاج الاولیاء رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ آپ کا مزاج اس ضلع کے لوگوں سے بالکل مطابقت نہیں رکھتا۔ تاہم اگر آپ پنجاب میں ہی قیام کرنا پسند فرماتے ہیں تو جالندھر تشریف لے چلیں کیونکہ وہاں کے لوگوں کا مزاج آپ کے مزاج کے قریب تر ہے۔ اگر آپ حکم فرمائیں تو میں وہاں پر آپ کیلئے رہائش کا بندوبست کروں۔ اِس پر حضرت تاج الاولیاء رحمۃ اللہ علیہ نے جالندھر تشریف لانے کی رضامندی ظاہر کی اور فرمایا کہ آپ چلیں اور ہم دو چار روز میں آپ کے ہاں جالندھر پہنچ جائیں گے۔

چنانچہ حضرت سیدنا خواجہ محمد امیر الدین رحمۃ اللہ علیہ نے جالندھر واپس آ کر اپنے سب سے بڑے مکان کی تزئین و آرائش شروع کروا دی اور ساتھ ہی اُس کی رجسٹری حضرت تاج الاولیاء رحمۃ اللہ علیہ کے نام کروا دی۔ جب حضرت تاج الاولیاء رحمۃ اللہ علیہ جالندھر تشریف لائے تو آپ کا ذوق دیکھ کر بہت متاثر ہوئے اور مسرت کا اظہار فرمایا۔ اب حضرت تاج الاولیاء رحمۃ اللہ علیہ

سید و سرور محمد نورِ جاں
سید اور سردار، محمد جو کہ ہر جان کا نور ہیں

مہتر و بہتر شفیعِ مجرماں
سب سے بالا، بہتر، گنہگاروں کے شفیع ہیں

جالندھر میں خلقِ خدا کی رہنمائی فرمانے لگے۔

آپ کے یو۔پی، سکندر آباد، نصیر آباد اور کانپور کے خدام اور عقیدت مندوں کو جب یہ پتہ چلا کہ حضرت تاج الاولیاء رحمۃ اللہ علیہ نے جالندھر میں رہائش اختیار فرمائی ہے تو وہ سب ایک وفد بنا کر جالندھر آئے۔ اُن میں نواب، اُمراء اور جاگیرداروں کے علاوہ آپ کے سفید ریش خلفاء بھی شامل تھے۔ یہ سب حضرت تاج الاولیاء رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اُن سے واپسی کی درخواست کی۔ آپ نے فرمایا کہ ہم میاں امیر الدین کی درخواست پر یہاں آئے ہیں اور ان کے مہمان ہیں۔ لہٰذا ان کی مرضی کے بغیر تو واپسی ممکن نہیں۔ چنانچہ اُن سب حضرات نے حضرت سیدنا خواجہ محمد امیر الدین رحمۃ اللہ علیہ پر زور دینا شروع کیا کہ وہ حضرت تاج الاولیاء رحمۃ اللہ علیہ کو اُن کے ہمراہ واپسی کی اجازت دے دیں۔ جب اُن سب نے آپ کو بہت زیادہ مجبور کیا تو آپ نے تاج الاولیاء رحمۃ اللہ علیہ سے عرض کیا کہ ''حضور! آپ ان کے پیر و مرشد ہیں۔ ان کا آپ پر مجھ سے زیادہ حق ہے۔ میرا کیا ہے میں تو یتیم ہوں۔ میرے پیر و مرشد تو وصال پا چکے ہیں۔ آپ ان کے ساتھ تشریف لے جائیں۔ حضرت تاج الاولیاء رحمۃ اللہ علیہ آپ کی یہ بات سن کر جوش میں آگئے اور کہا کہ سب لوگ واپس چلے جائیں۔ میں آپ کے ساتھ جانے والا نہیں۔ میں میاں امیر الدین کے پاس ہی رہوں گا اور آپ کو گلے لگا کر فرمایا کہ آپ نے یہ کیسے کہہ دیا کہ آپ یتیم ہیں۔ میرے ہوتے ہوئے آپ کیسے یتیم ہو سکتے ہیں۔

تاہم وہ لوگ بھی دھن کے پکے تھے۔ اُن سب نے وہیں ڈیرے ڈال دیئے اور حضرت سیدنا خواجہ محمد امیر الدین رحمۃ اللہ علیہ کی منت سماجت شروع کر دی۔ آپ کا نوجوانی کا عالم تھا اور ریش مبارک سیاہ تھی جبکہ منت سماجت کرنے والے سب لوگ سفید ریش اور طریقت میں آپ کے چچا حضرات تھے۔ کچھ دنوں تک تو آپ ڈٹے رہے مگر بالآخر پسیج گئے اور حضرت تاج الاولیاء رحمۃ اللہ علیہ سے عرض کیا کہ حضور! میں خود میں اتنی طاقت اور ہمت نہیں پاتا کہ میرے یہ سفید ریش بزرگ میری منتیں کرتے رہیں۔ میرا دل تو نہیں چاہتا کہ آپ مجھے چھوڑ کر واپس تشریف لے جائیں مگر اتنے سارے لوگوں کے سامنے اپنے مفاد کو پیشِ نظر رکھنا میرے نزدیک خود غرضی ہے۔ آپ نے میری بہت لاج رکھی ہے۔ اب ان لوگوں کی دلی خواہش کی لاج رکھ لیں اور ان کے ساتھ تشریف لے جائیں۔ اس طرح آپ نے حضرت تاج الاولیاء رحمۃ اللہ علیہ کو اُن سب کے ساتھ رخصت کر دیا اور اُن سب حضرات نے آپ کا بہت شکریہ ادا کیا۔

سید و سرور محمد نورِ جاں | مہتر و بہتر شفیعِ مجرماں
سید اور سردار، محمد جو کہ ہر جان کا نور ہیں | سب سے بالا، بہتر، گنہ گاروں کے شفیع ہیں

حضرت تاج الاولیاءؒ کے ہمراہ بستی جیون ہانہ آمد

قیامِ پاکستان کے بعد حضرت تاج الاولیاء رحمۃ اللہ علیہ اپنے مریدین کے اصرار پر سکندر آباد (یو۔پی) سے بستی جیون ہانہ گارڈن ٹاؤن لاہور تشریف لے آئے۔ حضرت سیدنا خواجہ محمد امیر الدین رحمۃ اللہ علیہ بھی آپ کی خدمت میں رہنے کیلئے جیون ہانہ ہی میں کرائے کا مکان لے کر رہنے لگے۔ آپ کا یہاں پر تقریباً پانچ سال تک قیام رہا۔ آپ کی رُوحانی تعلیم وتربیت کا غالب حصہ یہیں حضرت تاج الاولیاء رحمۃ اللہ علیہ کے آستانہ عالیہ ہی میں ہوا۔

آپؒ کی حضرت تاج الاولیاءؒ سے عقیدت ومحبت

قیامِ پاکستان کے بعد حضرت تاج الاولیاء رحمۃ اللہ علیہ ایک مرتبہ اپنے مریدین کی دعوت پر ملتان تشریف لے گئے۔ وہاں پر آپ کو ہچکی کا عارضہ لاحق ہوگیا۔ بیماری نے طوالت پکڑی اور یہ حالت ایک ماہ تک جاری رہی۔ ہچکی نے شدت اختیار کی تو حضرت تاج الاولیاء رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے خدام سے فرمایا: ''کوئی ہے اس راہ میں قربانی دینے والا'' تو حضرت سیدنا خواجہ محمد امیر الدین رحمۃ اللہ علیہ نے عرض کیا کہ سرکار! غلام حاضر ہے۔ تاج الاولیاء رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ میری چارپائی کے گرد چکر لگاؤ۔ یہ حکم ملتے ہی آپ نے چارپائی کا دیوانہ وار طواف کرنا شروع کردیا۔ ابھی تین چار چکر ہی لگائے تھے کہ حضرت تاج الاولیاء رحمۃ اللہ علیہ نے آپ کے بڑے بھائی جناب عبدالعزیز صاحب سے فرمایا: میاں امیر الدین کو روکو، اِس کو سنبھالو۔ اُس وقت آپ کی حالت دیوانوں جیسی ہو رہی تھی۔ آپ کو طواف سے روک کر حضرت تاج الاولیاء رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں پیش کیا گیا تو اُنہوں نے آپ کو سینے سے لگاتے ہوئے فرمایا: ''میاں امیر الدین! خداوند تعالیٰ نے آپ کی قربانی قبول کرلی ہے۔ اب آپ فوراً محلہ آغا پور میں محمد طفیل کے گھر چلے جائیں''۔ جب آپ وہاں پہنچے تو پتا چلا کہ آپ کے اکلوتے صاحبزادے محترم زین العابدین رحمۃ اللہ علیہ جن کی عمر تقریباً چار برس تھی کا مختصر علالت کے بعد انتقال ہوگیا ہے۔ اس طرح آپ کی قربانی بالواسطہ قبول فرمائی گئی اور دربارِ تاج الاولیاء میں آپ کو سرخروئی حاصل ہوئی۔

آپ اپنے دادا مرشد حضرت تاج الاولیاء رحمۃ اللہ علیہ کا بہت زیادہ ادب واحترام کرتے تھے۔ حتیٰ کہ اُن کی ظاہری حیات میں آپ نے اپنے کسی خادم کو خلافت واجازت سے نہ نوازا۔ ایک مرتبہ حضرت تاج الاولیاء رحمۃ اللہ علیہ نے آپ سے فرمایا کہ محمد طفیل کو خلافت واجازت دے دیں۔ آپ نے عرض کیا: آپ مالک ہیں جس کو چاہیں خلافت سے نواز دیں مگر آپ کی موجودگی میں مَیں کسی کو خلافت دینا طریقِ ادب کے خلاف سمجھتا ہوں۔ چنانچہ محمد طفیل صاحب کو حضرت تاج الاولیاء رحمۃ اللہ علیہ

کے وصال کے بعد خلافت واجازت سے نوازا گیا۔

آپ کی محبت وعقیدت کی وجہ سے حضرت تاج الاولیاء رحمۃ اللہ علیہ بھی آپ کو بہت عزیز رکھتے تھے اور نہایت خصوصی محبت وشفقت فرماتے تھے۔ حضرت سیدنا الشاہ محمد نبی رضا خان لکھنوی رحمۃ اللہ علیہ (پیرومرشد حضرت تاج الاولیاء رحمۃ اللہ علیہ) کے سالانہ عرس مبارک کے موقع پر حضرت تاج الاولیاء رحمۃ اللہ علیہ نے آپ کو اپنی طرف سے خلافت واجازت سے نواز دیا۔ حالانکہ آپ کو اپنے پیرومرشد حضرت سیدنا ہادی علی شاہ رحمۃ اللہ علیہ کی طرف سے پہلے ہی خلافت واجازت سے نوازا جاچکا تھا۔ حضرت تاج الاولیاء رحمۃ اللہ علیہ کی طرف سے عطا کردہ خلافت گویا سونے پر سہاگہ تھی۔

حضرت تاج الاولیاءؒ کا وصال

تاج الاولیاء حضرت سیدنا الشاہ محمد عبدالشکور رحمۃ اللہ علیہ 10 ذوالحجہ 1384ھ بمطابق 31 جولائی 1955ء بروز یک شنبہ سات بج کر تیس منٹ پر وصال فرما گئے۔ آپ کی نماز جنازہ پڑھانے کا شرف امام المفسرین حضرت علامہ ابوالحسنات سید محمد احمد قادری رحمۃ اللہ علیہ کو حاصل ہوا۔ حضرت تاج الاولیاء رحمۃ اللہ علیہ نے ہندو پاکستان میں حقیقت ومعرفت کے دریا بہانے کے علاوہ اطراف واکنافِ عالم میں بھی مئے عرفان کے چشمے جاری کردیئے اور لاکھوں تشنہ کامان حق وصداقت اور طالبانِ قرب ومعرفت کو اپنے فیضِ عام سے سیراب کیا۔ آج دنیا کا کوئی گوشہ ایسا نہ ہوگا کہ جہاں آپ کے فیض یافتہ اشاعتِ طریقت اور تبلیغ دین متین میں سرگرم عمل نہ ہوں۔ آپ کا مزار مبارک بمقام بستی جیون ہانہ گارڈن ٹاؤن فیروزپور روڈ لاہور زیارت گاہِ خواص وعوام ہے۔

حضرت سیدنا محمد امیر الدینؒ کی فیصل آباد آمد

حضرت تاج الاولیاء رحمۃ اللہ علیہ کے وصال کے کچھ عرصہ بعد حضرت سیدنا خواجہ محمد امیر الدین رحمۃ اللہ علیہ فیصل آباد تشریف لے گئے۔ پہلے آپ غلام محمد آباد اور پھر موجودہ آستانہ عالیہ ومزار شریف 1279-بی پیپلز کالونی نمبر1 میں رہائش پذیر ہوئے۔

آپؒ کے اخلاقِ حسنہ

حضرت سیدنا خواجہ محمد امیر الدین رحمۃ اللہ علیہ بچپن ہی سے بہت اعلیٰ کردار کے مالک تھے۔ آپ کی شخصیت ہر خاص وعام کے لئے نہایت پرکشش تھی۔ جو ایک بار آپ کی زیارت کرلیتا وہ بار بار ملنے کی آرزو لے کر جاتا۔ آپ کے اخلاقِ حسنہ اور گفتگو کی شرینی سے ہر ایک کا دل شراب

نام احمد ﷺ نام جملہ انبیاست
احمد صلی اللہ علیہ وسلم کا نام، تمام انبیاء کا نام ہے

چونکہ صد آمد نود ہم پیش ماست
جب سو آگئے تو نوے بھی ہمارے سامنے ہے

محبت سے لبریز ہو جاتا۔ کیف و مستی کا عجب عالم دلوں پر چھا جاتا اور محسوس ہوتا کہ ہم وہاں ہیں جہاں سے ہم کو بھی کچھ ہماری خبر نہیں آتی۔ آپ کی گفتگو نہایت پُر لطف اور اسرار و معارف سے پُر ہوتی۔ بقول پیر و مرشد قبلہ محمد عالم امیری مدظلہ ''اِسی پُر لطف گفتگو میں ہنستے کھیلتے ہم سب کی نہایت ہی زبردست رُوحانی تربیت بھی ہوتی رہتی۔ آپ کی گفتگو کبھی بھی بے معنی یا وقت گزاری کیلئے نہ ہوتی۔ آپ نہایت آسان الفاظ و انداز میں رُوحانیت و تصوف کے رموز اور شریعت و طریقت کی باریکیاں بیان فرماتے۔ آپ ایک ہی نظر میں بندے کو ہر طرح سے پرکھ لیتے تھے''۔

یادِ شیخ

آپ کی شخصیت کا ظاہری پہلو جب اتنا موثر ترین تھا تو آپ کی باطنی کیفیت کا حال کیسے بیان کیا جاسکتا ہے۔ آپ اپنے پیر و مرشد سے انتہا درجہ کی عقیدت و محبت رکھتے تھے۔ آپ اکثر فرمایا کرتے تھے کہ ''میں تو ناچیز ہوں۔ بس میرے آقا و مولا ہی زندہ و جاوید ہیں۔ وہی میرے مالک کُل ہیں اور میں اُنہی کے لطف و کرم سے پل رہا ہوں'' آپ کی زندگی کا شائد ہی کوئی لمحہ ہوگا کہ جس میں آپ اپنے شیخ پیر و مرشد کو یاد نہ کرتے ہوں۔ ہمیشہ اپنے شیخ پیر و مرشد کی عظمت اور جود و سخا کی باتیں کرتے۔ اِس طرح آپ عقیدت و عشق کے چراغ سے رُوحانی ماحول کو روشن رکھتے۔ آپ کے نزدیک یادِ شیخ بہت بڑی عبادت تھی۔ آپ باطنی طہارت و پاکیزگی پر بہت زور دیتے تھے۔ آپ فرمایا کرتے تھے کہ ''اگر دل کا آئینہ صاف ہو جائے تو پھر پوری کائنات اِس میں سما سکتی ہے''۔

بندہ پروری اور غریب نوازی

آپ غریب آدمی کو زیادہ پسند فرمایا کرتے اور اُس کی دلجوئی فرمایا کرتے تھے۔ متکبر اور امیر آدمی کو پسند نہیں فرمایا کرتے تھے۔ لیکن اگر ایسا شخص آپ کی خدمت میں حاضر ہو جاتا تو حتی الوسع اُس کی تالیفِ قلب فرمایا کرتے تھے۔ ایسی گفتگو فرماتے کہ اُن کے دل نرم پڑ جاتے۔ جس آدمی کو پسند نہ فرماتے اُس سے بھی اخلاق سے پیش آیا کرتے تھے۔ آپ کی یہ خوبی تھی کہ آپ کا ہر خادم یہی سمجھتا کہ آپ اُسے سب سے بڑھ کر محبت و شفقت فرماتے ہیں۔ ہر ایک سے خندہ پیشانی اور خلوص سے پیش آتے۔ آپ بہت فصیح اللسان اور شائستہ بیان تھے۔ بہت پُر اعتماد گفتگو فرمایا کرتے تھے۔ آپ اپنے مریدین اور متعلقین سے ہمیشہ اُن کے ذہنی معیار کے مطابق گفتگو فرماتے۔ آپ کے مریدین میں جہاں ایک طرف اَن پڑھ دیہاتی تھے وہاں پر پڑھے لکھے اور ادبی لوگ بھی کثیر تعداد میں شامل تھے۔ آپ کبھی کسی کی دل شکنی نہ کرتے اور نہ ہی کسی کو اُس کی کسی کمی کا احساس ہونے دیتے تھے۔

صد ہزاراں طبِّ جالینوس بُود
جالینوس کی طب میں بے شمار علاج تھے

پیشِ عیسیٰؑ و دمش افسوس بُود
لیکن عیسیٰؑ اور اُنکی پھونک کے سامنے سب بیکار تھے

حلیہ مُبارک

آپ کا جسم مبارک بہت بارعب، بھرا بھرا اور کھلی ہوئی رنگت تھی۔ آپ کی آنکھوں میں بہت کشش تھی۔ آنکھیں بہت روشن اور چمکدار تھیں۔ جو بھی اُن میں دیکھتا مسحور ہو جاتا۔ کوئی بھی آپ سے آنکھ ملا کر بات نہیں کر سکتا تھا۔ آپ جلال و جمال کا نہایت حسین مرقع تھے۔ تاہم جلال کی حالت زیادہ دیر قائم نہیں رہتی تھی اور عموماً اپنے خدام پر شفقت فرمایا کرتے تھے۔

لباس

ہمیشہ عمدہ اور نفیس لباس زیب تن فرماتے۔ عموماً کرتہ شلوار زیب تن فرمایا کرتے تھے۔ سردیوں میں سیاہ اچکن استعمال فرماتے۔ سفید لباس پسند فرماتے تھے۔ سر پر ایک خاص وضع کی قراقلی ٹوپی یا سلسلہ عالیہ کا تاج مبارک پہنا کرتے تھے۔ کندھوں پر بڑا ڈبی دار رومال بھی رکھتے۔ لباس میں تہبند بھی استعمال فرمایا کرتے تھے کہ یہ سنتِ شیخ ہے۔ لباس کی صفائی کے بارے میں بہت زیادہ زور دیا کرتے تھے۔ گندے لباس کو پسند نہیں فرماتے تھے۔ آپ اپنے خدام سے فرمایا کرتے تھے کہ گھر میں اگر تین دن کا فاقہ بھی ہو تو اپنا حلیہ مصیبت زدہ لوگوں جیسا بنا کر باہر مت نکلو کہ لوگوں کو تم پر خواہ مخواہ ترس آنے لگے۔

سادہ خوراک

آپ کھانے میں چنے کی دال زیادہ پسند فرماتے۔ ہلکی غذا کھاتے اور عام طور پر سبزی استعمال کیا کرتے تھے۔ اگر کبھی سویاں، حلوہ یا پراٹھے پیش کئے جاتے تو ایک دو لقمہ تناول فرما کر بقیہ اپنے خدام کو دے دیا کرتے تھے۔ اگر کوئی کھانے کی دعوت کرتا تو آپ فرماتے کہ ہلکی غذا پکائی جائے۔ آپ اکثر فاقہ فرمایا کرتے تھے لیکن خادموں کو کھانے کا حکم دیا کرتے تھے۔ صبح کے وقت چائے کی پیالی پسند فرمایا کرتے تھے تا کہ رات کی تھکاوٹ دور ہو جائے۔

آپؒ کی خلوت

تکیہ کے اوپر سر رکھ کر مراقبہ کیا کرتے تھے۔ عموماً سجدہ میں رہتے، اپنے مریدین کی مراقبہ میں نگرانی فرماتے۔ آپ عموماً ساری ساری رات مراقبے میں رہتے۔ آپ فرمایا کرتے تھے کہ ''لوگ شکوہ کرتے ہیں کہ ہم کو بیعت ہوئے عرصہ گزر گیا مگر ابھی تک کچھ حاصل نہیں ہوا لیکن ہم نے جب بھی نظر کی سب لوگوں کو محوِ خواب پایا ہے سوائے معدودے چند لوگوں کے۔ لینے کے لئے پہلے طلب پیدا کرنی پڑتی ہے۔ جب طلب بیدار ہو جاتی ہے تو شیخ نظرِ کرم فرما دیتا ہے''۔

صد ہزاراں دفترِ اشعار بود
اشعار کے لاکھوں دیوان موجود تھے

پیشِ حرفِ اُمّیش آں عار بود
لیکن اُس اُمّی (محمد ﷺ) کے کلام کے سامنے موجبِ ننگ تھے

کانپور والی درویشی کی گٹھڑی

آپ کے دو پیر بھائی تھے (جن میں سے ایک کا نام ابراہیم صاحب تھا) وہ دونوں آپ کے آستانہ عالیہ پر بر موقع عرس مبارک سیدنا ہادی علی شاہ رحمۃ اللہ علیہ تشریف لائے۔ اُنہوں نے عرس شریف کی محافل میں شرکت کے بعد حضرت قبلہ رحمۃ اللہ علیہ سے فرمایا کہ جو بات ہم نے کانپور شریف (آپ کے پیرو مرشد کے آستانہ عالیہ) میں دیکھی تھی وہ ہمیں نہ کوئٹہ میں نظر آئی اور نہ ہی حیدرآباد و کراچی یا پنجاب میں کہیں دیکھی۔ ہم لوگ اُس کی تلاش میں ہر جگہ گئے لیکن وہ بات ہمیں کہیں نظر نہ آئی۔ ہم لوگ اس بات پر حیران تھے کہ وہ کانپور والی درویشی کی گٹھڑی کون لے گیا ہے لیکن آپ کے ہاں محافل میں شرکت کے بعد پتا چلا کہ وہ کانپور شریف والی درویشی کی گٹھڑی آپ لے آئے ہیں۔ آپ کو بہت بہت مبارک ہو۔

اسی طرح آپ کے ایک پیر بھائی محترم طفیل صاحب نے آپ سے کہا کہ وہ چیز جو کانپور شریف میں نور کی کرنوں کی صورت میں حضرت سیّدنا ہادی علی شاہ رحمۃ اللہ علیہ کے آس پاس نظر آیا کرتی تھی وہ پھر کہیں نظر نہیں آئی۔ آپ نے طفیل صاحب سے فرمایا کہ وہ میرے آقا کا آستانہ تھا اور یہ غلام کا غریب خانہ ہے۔ آقا و غلام کیونکر برابر ہو سکتے ہیں۔ بہر حال آپ اگلی محفل میں تشریف لائیں۔ عین ممکن ہے کہ آقا اپنا کرم فرمائیں اور آپ کو یہاں بھی وہی بات دیکھنے کو مل جائے۔ چنانچہ محمد طفیل صاحب اگلی محفل میں آئے تو اُنہوں نے نور کی کرنوں کا ویسا ہی مشاہدہ حضرت سیدنا خواجہ محمد امیر الدین رحمۃ اللہ علیہ کے گرد دیکھا تو پھر اُنہوں نے اس بات کا اقرار کیا اور کہا کہ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت قبلہ عالم رحمۃ اللہ علیہ نے آپ کو خوب خوب نوازا ہے اور کوئی کسر نہیں چھوڑی ہے۔ واقعی آپ اس کے اہل تھے اور ہیں۔

مزارِ اقدس حضرت داتا صاحب رحمۃ اللہ علیہ پر حاضری

حضرت سیدنا خواجہ محمد امیر الدین رحمۃ اللہ علیہ خود نمائی و خود ستائی کے سخت خلاف تھے۔ ایک مرتبہ رات کے دو بجے دربار حضرت داتا گنج بخش علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ پر حاضری کیلئے تشریف لے گئے۔ سیّدی و مرشدی قبلہ محمد عالم امیری مدظلہ اور چند دیگر مریدین بھی ہمراہ تھے۔ دربار میں داخل ہونے سے قبل حضرت قبلہ رحمۃ اللہ علیہ نے سب کو الگ الگ سمتوں میں (دربار کے اندر) جانے کا حکم فرمایا اور خود اکیلے حاضری دی۔ یہی اُن کا معمول تھا۔ فرمایا کرتے تھے کہ "عالم میاں! مجھے اس بات سے شرم آتی ہے کہ میں دربار پر اپنے مریدین کے جلو میں حاضری دوں یا یہاں پر مسند بچھا کر بیٹھوں۔ میں تو یہاں پر خود فقیر بن کر آتا ہوں۔ یہاں کوئی ایسا عمل نہیں کرنا چاہیے کہ جس سے ہماری عاجزی کی بجائے عزت و مرتبہ ظاہر ہو"

چوں محمد پاک شد از نار و دود　　　　ہر کجا رو کرد وجہ اللہ بود
جب محمد صلی اللہ علیہ وسلم آگ اور دھوئیں سے پاک ہو گئے　　　　اُنہوں نے جس طرف بھی رُخ کیا، خُدا ہی کی ذات تھی

عاجزی و انکساری کی عملی تربیت

سیدی و مرشدی قبلہ محمد عالم امیری مدظلہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ ہم کچھ پیر بھائی اپنے حضرت کی خدمت میں حاضر تھے۔ حضرت نے سنگ مرمر کا ایک ٹکڑا دکھلایا کہ یہ آپ کا فلاں پیر بھائی آزاد کشمیر سے لے کر آیا ہے کہ میں اس پر اپنا نام کندہ کروا کر اس کو اپنے گھر کے باہر لگالوں۔ اب آپ حضرات بتائیں کہ اس پر کیا لکھا جائے۔ پھر فرمانے لگے کہ چلو ایسا کرتے ہیں کہ آپ سب لوگ اپنے گھروں کو واپس جا کر مجھے بذریعہ خط اپنی اپنی تجاویز ارسال کر دینا۔ اُن سب مریدین نے ایسا ہی کیا۔ پھر جب دوبارہ عرس مبارک کی تقریب میں شرکت کیلئے سب مریدین موجود تھے تو حضرت سیدنا خواجہ محمد امیر الدین رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی خطوط والی ٹوکری اُٹھائی اور اُس میں سے وہ سب تجاویز ہر ایک کے نام کے ساتھ پڑھنا شروع کر دیں۔ سب نے اپنی اپنی تجاویز میں اپنے پیر و مرشد سے عشق و محبت کے اظہار میں القابات لکھے ہوئے تھے۔ سب خطوط پڑھنے کے بعد حضرت نے فرمایا کہ کیا آپ بتا سکتے ہیں کہ میں نے اُس پتھر پر کیا لکھوایا ہے۔ سب نے جواب دیا کہ حضرت ہم کیا کہہ سکتے ہیں۔ تو آپ نے اپنے قریب رکھا کاغذ میں لپٹا ہوا وہ پتھر کھولا تو اُس پر لکھا ہوا تھا ''محمد امیر الدین ہادوی شکوری'' یعنی کہ کوئی القاب نہ تھے صرف آپ کا ذاتی نام محمد امیر الدین تھا اور ساتھ آپ کے حضرات یعنی کہ مرشد اور دادا مرشد کی نسبت ''ہادوی شکوری'' لکھی ہوئی تھی۔ پھر حضرت نے سب سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ ''میں یہ مناسب نہیں سمجھتا کہ اپنے نام کے ساتھ کوئی القاب وغیرہ لکھوں۔ آپ سب نے مجھے جن چاہتوں اور محبتوں بھرے القابات سے نوازا ہے وہ پڑھ کر مجھے بہت خوشی ہوئی ہے۔ تمام مریدین کو اپنے پیر و مرشد کے بارے میں اسی طرح عشق و مستی سے سوچنا چاہئے''۔ یہ تھی وہ عملی تربیت جو کہ وہ اپنے مریدین کی باتوں ہی باتوں میں بہت ہی لطیف طریقے سے کرتے تھے۔

ذوقِ سماع

آپ کو فارسی اور پنجابی کا بہت سا صوفیانہ کلام ازبر تھا۔ سماع میں آپ کو خوب ذوق و شوق اور عمدہ و لطیف کیفیات کا غلبہ ہوتا۔ سماع میں آپ کی وجد و حال کی کیفیت بہت لطیف رقص کی ہوتی تھی۔ صوفی شعراء اور صاحب نسبت شعراء کے عشق و محبت والے کلام کو بہت پسند فرماتے تھے۔ محفل میں زیادہ تر فارسی اور پنجابی کلام سنا جاتا۔ اگر قوال خلاف شریعت کوئی شعر پڑھتے تو اُن کو روک دیتے یا پھر شعر درست کروا دیا جاتا۔ آپ کی آواز قدرے بلند تھی۔ جب قوال ست پڑ جاتے تھے تو آپ قوالوں کے پاس جا کر دو چار مرتبہ بلند آواز میں پڑھتے تھے جس سے قوال

ہر کرا باشد ز سینہ فتح باب
جس کسی کے سینہ کا دروازہ کھل جائے

اُو زِ ہر ذرہ ببیند آفتاب
وہ ہر ذرہ میں آفتاب دیکھے گا

چست پڑ جاتے تھے اور محفل رنگ پر آ جاتی۔ محفل میں کلام میں گرہ بندی پسند نہیں فرماتے تھے۔ صرف دو مصرعی محفل پڑھی جاتی تھی۔ آپ جب چاہتے محفل کا رنگ بدل دیتے تھے۔ ایک مرتبہ دورانِ محفل بہت سے لوگ محو وجد و حال اور رقص کی کیفیت میں تھے۔ آپ نے اپنی انگلی کو دائرے کی شکل میں گھمایا تو سب لوگوں کی کیفیت اسی رخ پر بدل گئی جس رخ پر انگلی گھمائی تھی۔

دوران محفل جس کسی کی طرف اِک نظر دیکھ لیتے اُس کو رقتِ قلب اور وجد و حال کی کیفیت طاری ہو جاتی۔ بقول سیدی و مرشدی قبلہ محمد عالم امیری مدظلہ

ہے نظر کا کیا کرشمہ اے سدیدی ! کیا کہوں
جان پڑ جاتی ہے عالم بندۂ بے کار میں

محفل سماع میں آپ جدائی کے اشعار پسند نہیں فرماتے تھے۔ آپ فرمایا کرتے تھے کہ جدائی کیسی؟ ہمارا یار تو ہر وقت ہمارے ساتھ ہے۔

ایک مرتبہ ایک آدمی نے سادگی سے آپ سے پوچھا کہ آپ کو خواب میں زیارتیں تو ہوتی ہوں گی؟ آپ نے فرمایا: ''واہ میاں! آپ نے کیسی بات کی؟ ہمارا یار تو ہر وقت سوتے جاگتے اُٹھتے بیٹھتے ہمارے ساتھ ہے''۔

آپ کے حجرہ مبارک میں ایک شعر لکھا ہوا تھا۔

اسمِ اعظم ہی سمجھتا ہوں میں اسمِ یار کو
اِسی لیے میں یار ہی کے نام کا عامل ہوا

ایک مولوی صاحب نے طنزیہ انداز میں پوچھا کہ حضرت اس شعر کا مطلب سمجھ میں نہیں آیا۔ ذرا اس پر روشنی تو ڈالیں۔ آپ نے فرمایا: ''اس میں سمجھ نہ آنے والی کونسی بات ہے۔ ہمارا یار تو اللہ ہی ہے۔ لہٰذا ہمارا ہر وقت کا وظیفہ یار ہی کا نام جپنا ہے اور یہی ہمارا اسمِ اعظم ہے اور ہم لوگ اس کے عامل ہیں''۔

مزارِ اقدس حضرت خواجہ غلام فرید پر حاضری

حضرت سیدنا خواجہ محمد امیر الدین رحمۃ اللہ علیہ اپنے مریدین کی دعوت پر ہر سال ماہ ربیع الاول میں ملتان تشریف لے جایا کرتے تھے۔ محافل درود و سلام اور سماع کا انعقاد کیا جاتا اور ذوق و شوق کی دنیا آباد رہتی۔ ایک

مرتبہ اِن محافل سے فارغ ہو کر آپ کوٹ مٹھن شریف (حضرت خواجہ غلام فرید رحمۃ اللہ علیہ کے مزار اقدس پر) حاضری کیلئے تشریف لے گئے۔ جمعۃ المبارک ہونے کی وجہ سے زائرین کی معمول سے کافی زیادہ آمد تھی۔ جب آپ وہاں پہنچے تو جمعۃ المبارک کی جماعت کھڑی ہونے کو تھی۔

رش زیادہ ہونے کی وجہ سے آپ نے پیرومرشد سیدنا محمد عالم امیری مدظلہ سے فرمایا کہ آپ میرے لیے جگہ رکھیں' میں حضرت خواجہ غلام فرید رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں سلام پیش کر کے آتا ہوں۔ چنانچہ سیّدی ومرشدی قبلہ محمد عالم امیری مدظلہ نے آپ کی جگہ پر آپ کی چھڑی مبارک رکھ چھوڑی۔ کچھ ہی وقت میں حضرت سیدنا خواجہ محمد امیر الدین رحمۃ اللہ علیہ حاضری سے فارغ ہو کر باہر آئے اور سیّدی ومرشدی سیدنا محمد عالم امیری مدظلہ سے فرمانے لگے: ''عالم میاں! آج خواجہ غلام فرید رحمۃ اللہ علیہ بہت خوش ہیں اور ہم سے مل کر بہت خوش ہوئے اور اُن کی خوشی میں ہم بھی خوش ہیں''۔ یہ فرما کر آپ اپنی جگہ تشریف رکھنے کو تھے کہ سیدنا محمد عالم امیری مدظلہ نے آپ کی توجہ دیوار پر چسپاں نوٹس کی طرف مبذول کروائی۔ اُس پر تحریر تھا کہ یہ جگہ محترم سجادہ نشین دربارِ عالیہ کیلئے مخصوص ہے' کسی اور کو بیٹھنے کی اجازت نہیں۔ اسی دوران دربارِ عالیہ کے سجادہ نشین صاحب بھی تشریف لے آئے۔ آپ نے اُن کو دیکھ کر احتراماً پیچھے ہٹ کر وہ جگہ خالی کرنا چاہی تو سجادہ نشین صاحب آگے بڑھ کر آپ سے لپٹ گئے اور فرمانے لگے کہ یہ جگہ آپ جیسے بزرگوں کیلئے ہی ہے۔ آپ یہیں تشریف رکھیں۔ اُن کے اصرار پر آپ وہیں بیٹھ گئے۔ سجادہ نشین صاحب بھی آپ کے پاس ہی بیٹھ گئے۔

بعد از نمازِ جمعہ دربارِ عالیہ کے دستور کے مطابق محفلِ سماع شروع ہوئی۔ حضرت سیدنا خواجہ محمد امیر الدین رحمۃ اللہ علیہ کے خدام پر کیفیت وجد و حال طاری ہوگئی۔ آپ پر بھی گریہ طاری تھا۔ آپ کے گریہ کے ساتھ ہی محفل کا رنگ دوآتشہ ہوگیا۔ بس پھر آناً فاناً یہ عالم ہوا کہ سوائے چند ایک لوگوں کے سب حاضرینِ محفل پر کیفیت وجد و حال اور گریہ طاری ہوگیا۔ ہر شخص آپ کے قدموں سے لپٹنا چاہتا تھا۔ کوئی دست بوسی کر رہا تھا تو کوئی قدم بوسی۔ کوئی آپ کے تاج مبارک کا بوسہ لینے کی کوشش کرتے ہوئے آپ کے کندھوں کو چوم رہا تھا۔ آپ کے گرد ایک خلقت جمع تھی جو لوگ آپ تک نہیں پہنچ پا رہے تھے وہ آپ کے خدام کی دست بوسی و قدم بوسی کر رہے تھے۔ عجب بے قراری و بے خودی کی کیفیت طاری تھی۔ محفل کے بعد سب لوگوں نے آپ سے پانی دم کروانا شروع کر دیا۔ آپ نے اپنے خدام سے فرمایا کہ'' آپ بھی پانی دم کریں۔ شفاء میرے حضرات فرمائیں گے''۔ وہاں کے لوگوں کا کہنا تھا کہ ایسی کیفیات ہم نے کبھی نہیں دیکھیں۔ البتہ سنا اور پڑھا

نے غلط گفتم کہ نائب یا منوب
نہیں میں نے نائب غلط کہا بلکہ وہ اصل ہیں

گر دُو پنداری قبیح آید نہ خُوب
اور اگر اُن کو دو سمجھو گے تو بُرا ہو گا

ضرور ہے کہ حضرت خواجہ غلام فرید رحمۃ اللہ علیہ کی ظاہری حیات مبارکہ میں محافلِ سماع کا ایسا ہی رنگ ہوتا تھا۔

ظاہری حیاتِ مُبارکہ کی آخری محفلِ سماع

اپنی ظاہری حیاتِ مبارکہ کے آخری سال حضرت سیدنا خواجہ محمد امیر الدین رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے آستانہ عالیہ پر منعقدہ ایک محفلِ سماع میں شرکت کی۔ آپ اپنے پیرو مرشد کا عطا کردہ جوڑا مبارک زیب تن کئے مسند نشین تھے۔ شرکاءِ محفل پر عجب کیف و مستی کا عالم طاری تھا۔ اچانک یہ دیکھا گیا کہ مسند شریف پر آپ اپنے پیرو مرشد حضرت سیدنا ہادی علی شاہ رحمۃ اللہ علیہ کی صورت میں تشریف فرما ہیں۔ کچھ دیر بعد آپ اپنی اصلی صورت میں نظر آنے لگے۔ پھر یہ دیکھا گیا کہ آپ اپنے دادا مرشد تاج الاولیاء حضرت سیدنا الشاہ محمد عبدالشکور رحمۃ اللہ علیہ کی صورت میں تشریف فرما ہیں۔ شرکاءِ محفل پر انوار و تجلیات کی بارش ہو رہی تھی۔ ہر نفس محوِ رقص و گریہ کناں تھا۔ آپ مکمل طور پر فنافی الشیخ کا مرقع بنے ہوئے اہلِ محفل کو نہال کر رہے تھے۔ یہ آپ کی ظاہری حیاتِ مبارکہ میں آخری محفل سماع تھی۔

آپ کے باطنی کشف و کرامات کے بہت زیادہ اور تواتر سے واقعات ہیں۔ جن میں سے بہت سے "مناقب اطہار" میں تحریر ہیں اور ان میں سے بیشتر کے راوی اب بھی بقیدِ حیات ہیں لیکن اس مضمون کی طوالت کے خوف سے اُن کو نقل نہیں کیا جاسکتا۔ ویسے بھی اکثر و بیشتر اس طرح کا کوئی واقعہ پیش آنے پر آپ متعلقہ مرید کو خاموشی اختیار کرنے کا حکم فرماتے تھے اور ان واقعات کو اپنے شیخ پیرو مرشد کی عطا و عنایت قرار دیتے تھے۔

وصال مُبارک

ایک مرتبہ امیر الاولیاء سے پوچھا گیا کہ کیا ایک ولی کو اپنی موت کے بارے میں آگاہی ہو جاتی ہے؟ آپ نے تھوڑی دیر آنکھیں بند کیں، گردن جھکائی اور فرمایا کہ اکمل الکاملین اولیاء کرام رحمۃ اللہ علیہم کو اس بارے میں آگاہی ہو جاتی ہے۔

ایک دفعہ صلوٰۃ و سلام کی محفل میں آپ کے خلیفہ قبلہ منظور صاحب نے (آپ کے مرید) محمد علی ماہی صاحب کا ایک کلام پڑھا۔ اس میں ایک مصرعہ کچھ اس طرح سے تھا۔

اوہ پیا جاندا ماہی لوکو اس نوں روکو

حضرت امیر الاولیاء نے منظور صاحب سے پوچھا: میاں منظور اس کا کیا مطلب ہے تو منظور صاحب نے عرض کیا: حضور بہتر جانتے ہیں۔ اس پر حضرت قبلہ نے فرمایا اچھا پورا کلام دوبارہ پڑھو جب وہ پھر مذکورہ بالا مصرعے پر پہنچے تو

حضرت قبلہ رحمۃ اللہ علیہ نے ایک مرتبہ پھر پوچھا کہ اِس کا کیا مطلب ہے تو منظور صاحب بے اختیار رو پڑے۔ تو حضرت قبلہ رحمۃ اللہ علیہ نے اُن سے رونے کی وجہ دریافت کی۔ منظور صاحب نے عرض کیا کہ حضور میری زبان میں اتنی طاقت نہیں کہ اس کا مطلب بیان کروں۔ اس پر حضرت امیر الاولیاء مسکرائے اور فرمایا کہ منظور میاں! جو بات تم سوچ رہے ہو ایسی بات نہیں ہے۔ ابھی ہمارے جانے کا کوئی پروگرام نہیں ہے۔ تمہاری دونوں باجیوں کی شادی کے فرض سے سبکدوش ہونے کے بعد جب ہمارا جانے کا پروگرام ہوا تو آپ کو بتا دیں گے لہٰذا آپ کو ابھی اس بارے میں فکر مند ہونے کی ضرورت نہیں۔ اس پر منظور صاحب نے خوش ہو کر کہا کہ پھر ہمیں کسی کے ماہی سے کیا لینا ہے۔ کسی کا ماہی اگر جاتا ہے تو جاتا رہے۔ ہمارا ماہی تو ہمارے پاس ہے۔

وصال سے کچھ عرصہ پہلے اپنے ایک خادم کی عیادت کے لیے ملتان کے ایک ہسپتال میں گئے۔ وہاں پر آپ نے فرمایا کہ تھوڑے دنوں میں زبردست آندھی چلے گی۔ جس میں بہت سی چیزیں ہو جائیں گی۔ آپ کی اس بات کا اس وقت تو مطلب سمجھ نہ آیا مگر جب تھوڑے دنوں بعد آپ کا وصال ہو گیا تو مطلب سمجھ آیا۔

آپ کے وصال مبارک سے پہلے سب اہلِ خانہ آپ کے بھانجے کی شادی میں شرکت کے لئے راولپنڈی چلے گئے۔ جب سب لوگ روانہ ہونے لگے تو حضرت قبلہ نے فرمایا: زبیدہ کی اماں! جب وقت آیا تو وہ آپ کو بلا لے گئے۔ چنانچہ اماں حضور رحمۃ اللہ علیہا آپ کے وصال کے بعد تشریف لائیں۔

امیر الاولیا، حضرت سیدنا خواجہ محمد امیر الدین رحمۃ اللہ علیہ اپنے مخلص خدام اور رُوحانی فرزندوں کو داغ مفارقت دے کر 21 جون 1968ء بمطابق 24 ربیع الاول 1388ھ بروز جمعۃ المبارک کو واصل باللہ ہو گئے۔ آپ کی نماز جنازہ صوفی جان محمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے پڑھائی۔ جن کو رُوحانی طور پر آپ کے وصال کی خبر ہو گئی تھی۔ وہ خواجہ غلام فرید رحمۃ اللہ علیہ کے سلسلہ عالیہ کے مشہور بزرگ خواجہ یار محمد فریدی رحمۃ اللہ علیہ کے خلیفہ اور حضرت امیر الاولیاء رحمۃ اللہ علیہ کے بہت اچھے اور محبت رکھنے والے دوست تھے۔ (صوفی جان محمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا مزار اقدس ہنجر وال لاہور میں برلب ملتان روڈ واقع ہے۔)

بقول حافظ شیرازی رحمۃ اللہ علیہ

ہرگز نہ میرد آنکہ دِلش زندہ شُد بعشق
ثبت است بر جریدہ عالم دوامِ ما

"جس کا دل عشق کی زندگی حاصل کر لیتا ہے وہ کبھی نہیں مرتا' یہ بات زمانہ جانتا ہے کہ میں ہمیشہ کیلئے ہوں"۔

دانہ چوں اندر زمیں پنہاں شَوَد
دانہ جب زمین میں چھپتا ہے

بعد ازاں سرسبزیٔ بُستاں شَوَد
اُس کے بعد باغ کی سرسبزی کا سبب بنتا ہے

مزارِ اقدس

امیر الاولیاء حضرت سیدنا خواجہ محمد امیر الدین رحمۃ اللہ علیہ کی تدفین پہلے عارضی طور پر پیپلز کالونی کے قبرستان میں کی گئی۔ 40 دن بعد آپ کے جسمِ اطہر کو وہاں سے لایا گیا اور آپ کی نشست والے کمرے میں آپ کی تدفین کی گئی۔ سیّدی و مرشدی قبلہ محمد عالم امیری مدظلہ فرماتے ہیں کہ "میرے حضرت نے مجھے عین اِس جگہ پر بٹھا کر بیعت کیا تھا، جس جگہ پر اس وقت آپ کی قبرِ انور ہے"۔

اُن چالیس دنوں میں آپ کے خدام کے ساتھ بہت سے ایسے محیّر العقول واقعات پیش آئے جن سے اُن کے دلوں میں آپ کی عظمت پر یقین مزید پختہ ہوگیا۔ چالیس دن بعد آپ کی نشست والے کمرے میں تربت مبارک کیلئے لحد بنائی گئی۔ جب لحد مبارک تیار ہوگئی تو اہلِ سلسلہ قبرستان گئے۔ اتفاق رائے سے آپ کے خادم محترم احمد صاحب سے کہا گیا کہ وہ امیر الاولیاء حضرت سیدنا خواجہ محمد امیر الدین رحمۃ اللہ علیہ سے اجازت حاصل کریں۔ احمد صاحب نے آپ کے دائیں جانب کھڑے ہو کر اجازت طلب کی۔ اس پر آپ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: تم لوگ مجھے لینے کیلئے آگئے ہو تو لے چلو لیکن مجھے بے پردہ نہ کرنا۔ یہ آواز محترم احمد صاحب اور اُن کے ساتھ کھڑے محترم غلام رضا صاحب نے سنی۔ اِس آواز کو سن کر محترم غلام رضا صاحب پر ایسی ہیبت طاری ہوئی کہ وہ کئی دن تک بیمار رہے۔

اِس کے بعد آپ کے جسمِ اطہر والے بکس مبارک کو قبرِ انور سے نکالا گیا۔ جب اِس بکس مبارک کو آستانہ عالیہ کے سامنے واقع میدان میں رکھا گیا تو ہر شخص اپنی جگہ ہیبت زدہ تھا۔ بکس مبارک بالکل اپنی اصل حالت میں تھا۔ اُس پر قبرِ انور کے اندر چالیس دن رہنے کے کوئی آثار نہ تھے۔ اسی اثناء میں آپ کے خادم محترم ممتاز صاحب جو کہ لحد مبارک کی لپائی کر رہے تھے چیختے ہوئے لحد مبارک سے باہر آگئے اور کہا کہ یہ کام میرے بس کا نہیں۔ وہ بہت ہیبت زدہ تھے۔ چنانچہ لپائی کا بقیہ کام آپ کے خادم صاحب نے مکمل کیا۔

اِس کے بعد شوقِ دیدار میں خدام نے بکس مبارک کو کھولنا چاہا۔ آپ کے خادم محترم تاج صاحب اس کام کیلئے ضروری اوزار بھی لے آئے مگر سیّدی و مرشدی قبلہ محمد عالم امیری مدظلہ نے بعض وجوہات کی بنا پر اس کی مخالفت کی۔ چنانچہ بکس مبارک کو کھولا نہیں گیا کیونکہ تمام خدام قبلہ محمد عالم امیری مدظلہ کے وزنی دلائل کی وجہ سے اِس بات پر متفق ہوگئے تھے کہ صندوق مبارک کو نہیں کھولنا چاہئے اور یہی امیر الاولیاء حضرت سیدنا خواجہ محمد امیر الدین رحمۃ اللہ علیہ کی منشاء مبارک تھی۔ اس کے بعد آپ کی دوبارہ تدفین عمل میں لائی گئی۔

اولادِ پاک

آپ کے صاحبزادے زین العابدینؒ اپنے بچپن ہی میں بعمر چار سال انتقال فرما گئے تھے۔ آپ کی دو صاحبزادیاں تھیں۔ ایک صاحبزادی آپ ؒ کی ظاہری حیات مبارکہ کے تھوڑے عرصہ بعد وصال فرما گئیں اور دوسری صاحبزادی صاحبہ جو کہ سلسلہ عالیہ میں باجی جی حضورؒ اور بعد میں اماں جی حضورؒ کے نام سے جانی جاتی تھیں؛ کا وصالِ مبارک 20 رمضان المبارک 1430 ہجری کو ہوا۔ آپ کے بعد آپ کے داماد قبلہ محترم سردار احمد امیری مدظلہ آپ کی مسند پر جلوہ افروز ہوئے اور بحیثیت سجادہ نشین اُس شمع کو روشن رکھے ہوئے ہیں جو کہ آپ نے جلائی تھی۔

مزارِ اقدس پر مُنعقد ہونے والے عروس و محافل

امیر الاولیاء حضرت سیدنا خواجہ محمد امیر الدین ؒ کا عرس مبارک آپ کے دربار عالیہ 1279-بی پیپلز کالونی نمبر 1 فیصل آباد میں 24,25,26 ربیع الاول کو نہایت عقیدت و احترام سے انعقاد پذیر ہوتا ہے اور ہر قمری مہینے کی چوبیس تاریخ کی رات کو آپ کی یاد میں ماہانہ فاتحہ خوانی اور محفلِ سماع کا انعقاد ہوتا ہے۔

آستانہ عالیہ امیریہ پر امیر الاولیاء حضرت سیدنا خواجہ محمد امیر الدین ؒ کے شیخ پیرو مرشد امام الاولیاء حضرت سیدنا ہادی علی شاہ ؒ کا عرس مبارک 25,26,27 رجب المرجب کو بہت عقیدت و احترام سے منعقد ہوتا ہے۔

حضرت امیر الاولیاء ؒ اپنی ظاہری حیات میں اِس عرس کا بہت ذوق و شوق سے اہتمام کیا کرتے تھے۔

جمع و ترتیب

غلام غلامانِ آلِ محمد ﷺ

محمد اظہر سبحانی

کیں سہ را خصم است بسیار و عدو
اِس لیے کہ اِن تینوں کے مخالف اور دشمن بہت ہیں

در کمینت ایستند چوں داند او
تیری گھات میں رہے گا جب وہ جان جائے گا

یادِ دوست

جز یادِ دوست ہر چہ کُنی عُمر ضائع است

یادِ دوست کے سوا باقی سب کچھ عُمر کا ضیاع ہے۔ (الشیخ سعدیؒ)

روشن چہرہ، چمکتی آنکھیں، نورانی زلفیں، خوبصورت داڑھی، متوالی چال، مستانی ادائیں، پیکر محبت و عشق و مستی، مسرور آواز، خوش لحن، سادہ گفتار اور بے حد نفیس و اعلیٰ ذوق۔ جی ہاں ایسے ہی ہیں میرے باباجی جناب قبلہ محمد عالم امیری۔

ویسے تو آپ لوگ ترجمہ مثنوی مولانا رومؒ (انوار العلوم) پڑھ کر ہی ان کی شخصیت کی نفاست اور اعلیٰ ذوق کا اندازہ لگالیں گے لیکن کچھ باتیں ان کے بارے میں ہو جائیں۔

باباجی سے میرا تعلق اس دنیا میں عرصہ 30 سال سے ہے۔ جب میں 10 سال کا تھا تو قبلہ باباجی ہمارے گھر تشریف لایا کرتے تھے کیونکہ والد گرامی قدر جناب عبدالوحید امیری صاحب آپ سے بہت عقیدت و محبت رکھتے ہیں۔ باباجی محفل میں مسند پر جلوہ افروز ہوتے تو دنیا ہی بدل جاتی۔ میں باباجی کو تکتا رہتا اور ایسی مستی میں مشغول ہوتا کہ ان کے سوا سب بھول جاتا۔ باباجی کا بیٹھنا، باباجی کا کھڑا ہونا، باباجی کا گریہ وزاری کرنا، باباجی کا داد دینا۔ باباجی کا معنی خیز نظروں سے دیکھنا، باباجی کا پیار کرنا، باباجی کا تھپکی دینا، باباجی کا سینے سے لگانا، فیض لٹانا، آگ لگانا، سبھی کمال ہوتا، ان کی ہر ایک ادا کمال ہوتی۔ اس وقت عمر کم تھی اس لئے اپنی اس کیفیت کے بارے میں نہ جان سکے لیکن ایک سرور اور مستی تھی جو ان کے دیکھنے سے ہی آتی تھی۔ بعد میں معلوم ہوا کہ ہم ان کی نظروں کا نشانہ بن چکے ہیں۔

بہت جگہوں پر پھرا، بہت سے اللہ والوں سے ملا۔ بہت سوں سے عشق و تصوف کے بارے میں سنا لیکن جیسا باباجی کو پایا کسی کو نہ پایا۔ ان کا عجز، ان کی انکساری، ان کا تحمل و بردباری، ان کی توجہ، ان کی لطف و عنایت، ان کا بیان، ایسی درویشی، اللہ کا قرب، محبت رسول ﷺ، اولیاء اللہ کا ادب اور خصوصاً اپنے شیخ قبلہ خواجہ محمد امیر الدین رحمۃ اللہ علیہ سے محبت اور والہانہ پن انتہائی اعلیٰ مقام پر ہے۔ باباجی کی خصوصیات کا احاطہ کرنا ممکن نہیں لیکن قارئین کے لئے کچھ باتیں لکھنا ضروری سمجھا تو پیش خدمت کر رہا ہوں۔

بس دُعا ہا کاں زیانست و ہلاک
ہماری بہت سی دُعائیں جو ہمارے لیے نقصان دہ ہوتی ہیں

از کرم می نشنود یزدانِ پاک
اللہ تعالیٰ اپنے کرم کی وجہ سے منظور نہیں فرماتا

جب میں اللہ والوں کا تذکرہ پڑھتا ہوں تو کچھ باتیں تمام میں مشترک پاتا ہوں جیسے عجز و انکساری، تحمل و بردباری، زہد و تقویٰ، علم لدنی۔ یہ اللہ والے نقطہ ور بھی ہوتے ہیں اور دانش ور بھی، عشق کے پیکر بھی اور ذات الٰہی کے مظہر بھی، بندہ نواز بھی اور اعلیٰ اخلاق کے حامل بھی۔ یہ تمام آقا کریم ﷺ کے اوصاف ہیں۔

اولیاء اللہ میں یہ اوصاف حضور نبی کریم ﷺ کا ہی فیض ہیں۔ جب کوئی اللہ کا بندہ فنافی الرسول کی منزل کو پہنچتا ہے تو ان اوصاف کا فیضان اس تک پہنچتا ہے اور وہ بھی آقا کریم ﷺ کی اداؤں کا مظہر ہو جاتا ہے۔ باباجی بھی ایسے ہی اللہ والے ہیں اگر عجز دیکھیں تو دیکھتے ہی رہ جائیں۔ انکساری کا یہ عالم کہ انجان آدمی بھی ملے تو ایسے پیش آئیں جیسے برسوں کی شناسائی ہو۔ جب بیٹھیں تو سب کے ساتھ بیٹھیں۔ جب کھانا کھائیں تو سب کے ساتھ بیٹھ کر کھائیں۔ جو سب کھائیں وہی کھائیں۔ کبھی بھی یہ محسوس نہ ہونے دیں کہ وہ ہم سے برتر ہیں۔ بڑی سے بڑی بات پر بھی صبر و تحمل ایسا کہ کبھی آپ سے غصہ ظاہر نہیں ہوتا۔ باباجی کے ساتھ اکثر سفر کرنے کا موقع ملتا ہے۔ دوران سفر کوئی بھی مسئلہ پیش آئے، باباجی کبھی بھی پریشانی کا اظہار نہیں کرتے۔ ایک دفعہ فیصل آباد جاتے ہوئے خانپور نہر کے قریب ٹریفک جام ہوگئی۔ ہم تقریباً اڑھائی تین گھنٹے ٹریفک میں پھنسے رہے باباجی نے ایک بار بھی نہیں پوچھا کہ کیا بات ہے۔ میں حیران تھا کہ باباجی پوچھتے ہی نہیں۔ اتنا اطمینان کہ ایسا اطمینان میں نے کبھی بھی کسی کے چہرے پر نہیں دیکھا۔ راستے میں کھانے کیلئے رکتے ہیں تو کوئی فرمائش نہیں۔ ہم پوچھتے ہیں کہ کیا کھائیں گے تو کہتے ہیں جو منگواؤ کھا لیں گے۔

اماں جی فرماتی ہیں جو کپڑے دیتی ہوں پہن لیتے ہیں۔ جو کھانا دیتی ہوں کھا لیتے ہیں کبھی کسی خواہش کا اظہار ہی نہیں کیا کہ یہ کھانا ہے یا یہ کپڑے پہنوں گا۔ کبھی خواہش کرتے ہیں کہ باباجی کوئی فرمائش کریں لیکن کبھی نہیں کی۔ ہاں جب محفل ہو تو فرماتے ہیں کوئی کمی نہیں ہونی چاہئے، لنگر بہترین ہونا چاہئے۔ ہم جو ایک اشارے پر جان لٹانے کو تیار ہیں ہم سے کہتے ہیں محفل کے انتظام کیلئے کچھ رقم چاہیے تو لے لو۔ بھلا جو ہمارے پاس ہے وہ بھی تو انہی کا ہے۔ جب فیصل آباد اپنے حضرت کے مزار اقدس پر حاضری دیتے ہیں تو ایسا لگتا ہے کوئی چھوٹا بچہ ماں کی آغوش میں بیٹھا ہے اور آہستہ آہستہ چپکے چپکے ماں سے باتیں کر رہا ہے۔ محفل خانہ میں جاتے ہیں تو عام لوگوں کی طرح جہاں جگہ ملے بیٹھ جاتے ہیں۔ دوران سماع کسی شعر پر دل مچلے تو پھر دربار شریف میں حضرت کے پاس تشریف لے جاتے ہیں۔

باباجی اپنے حضرت کی محبت میں مست ہوتے ہیں اور ہم باباجی میں مست ہوتے ہیں۔ عاشق کی ہر بات میں اپنے

مُصلح ست اُو مصلحت را داند اُو
وہ بہتری کرنیوالا ہے اور جانتا ہے کہ بہتری کیا ہے

کاں دُعا را باز می گرداند اُو
تو وہ اُس دُعا کو واپس لوٹا دیتا ہے

محبوب کا تذکرہ ہوتا ہے۔ باباجی کی بھی کوئی بات ایسی نہیں ہے جو آپ کے حضرت کے تذکرے کے بغیر مکمل ہو جائے۔ باباجی اس انداز سے اپنے حضرت کا تذکرہ فرماتے ہیں کہ سننے والے پر عجیب کیفیت طاری ہو جاتی ہے۔ ہم ظاہری طور پر تو حضرت خواجہ محمد امیر الدین ﷫ کی صحبت نہ پا سکے لیکن باباجی سے حضرت کا تذکرہ سنتے ہیں تو دل باطنی طور پر ان کی محفل کا لطف پا لیتا ہے۔ ادب کا یہ عالم کہ میں نے کبھی آپ کو دربار شریف پر وضو یا استنجا کرتے نہیں دیکھا۔ فیصل آباد جاتے ہوئے راستے ہی میں تمام ضروریات سے فارغ ہو جاتے ہیں۔ زہد و تقویٰ کا یہ عالم کہ جب مؤذن اذان دے تو اللہ اکبر سنتے ہی اٹھ کھڑے ہو جاتے ہیں۔ سب کام ختم بس مسجد کی طرف چل پڑو۔ نماز میں عجب عالم ہوتا ہے' ایسا لگتا ہے کہ راز و نیاز ہو رہے ہوں۔ فجر کی نماز کے بعد مستقل مراقبہ فرماتے ہیں۔

محفل کیلئے کوئی بھی چاہنے والا کہیں بھی بلائے' کتنا ہی سفر ہو اس عہد پیری میں بھی ہر وقت تیار رہتے ہیں۔ ہم سے تھکاوٹ ظاہر ہو جاتی ہے لیکن باباجی کبھی کسی تھکاوٹ کا اظہار نہیں کرتے۔ توکل ایسا کہ کچھ بھی ہو جائے کہتے ہیں: اللہ کی طرف سے ہوا' اس کے کرنے سے ہی سب کچھ ہوتا ہے' اطمینان رکھو وہ جو کرتا ہے ٹھیک کرتا ہے۔ باباجی سے کوئی بات کہنا چاہیں تو لگتا ہے انہیں پہلے سے معلوم ہے۔ کہہ دیں تو ایسے سنتے ہیں جیسے کچھ جانتے ہی نہیں۔ نقطہ ور ایسے کہ جو بات سمجھنے کیلئے کتابیں لکھی جائیں وہ تین لفظوں میں سمجھا دیں۔ ایک دفعہ پوچھا: ایمان کیا ہے؟ کہنے لگے: خیال کی پاکیزگی ایمان ہے۔ کوئی کہتا ہے کلمہ پڑھ لو ایمان ہے' کوئی کہتا ہے نماز پڑھ لو ایمان ہے' کوئی کہتا ہے حج کر لو ایمان ہے۔ کوئی کچھ' کوئی کچھ اور پھر لمبی لمبی دلیلیں لمبے لمبے فلسفے۔ باباجی کہتے ہیں بس خیال کی پاکی ایمان ہے۔ خیال پاک ہے تو ہر کام میں حضوری' ہر کام ایمان۔ صاحب حال لوگوں کا پوچھو تو کہتے ہیں رونے والا صاحب حال ہے۔ باباجی پر محفل میں گریہ طاری ہوتا ہے تو ایسا سماں ہوتا ہے کہ سب پر گریہ طاری ہو جاتا ہے۔ کچھ پر کم کچھ پر زیادہ' سب مست ہو جاتے ہیں۔ سب صاحب حال ہو جاتے ہیں۔ اپنے اپنے ظرف کے مطابق سب حصہ لیتے ہیں۔

میرے گریہ نے مجھ کو منزلِ مقصد پہ پہنچایا
بہا کرلے گئے اُن تک میرے اشکِ رواں مجھ کو

کسی نے پوچھا سماع اور دوران سماع جو کیفیت پیدا ہوتی ہے یہ جائز ہے؟ تو باباجی فرماتے ہیں کہ کوئی کعبے کے اندر چلا جائے تو کدھر منہ کر کے نماز پڑھے گا۔ ہر طرف ہی کعبہ ہے جدھر چاہیں منہ کر لیں۔ اسی طرح جب سماع میں کیفیت پیدا

پند گفتن با جہولِ خواب ناک
نادان ، جاہل کو نصیحت کرنا

تخم افگندن بُود در شورہ خاک
شور والی زمین میں بیج بونے کی طرح ہے

ہوتی ہے تو بندے اور رب کے درمیان حائل تمام پردے اٹھا دیے جاتے ہیں پھر بس رب ہے اور اس کا بندہ۔ جب اس کا قرب ہی میسر آ گیا تو کیا جائز اور کیا ناجائز۔

کھُلی ہے جس پہ حقیقت قیودِ ہستی کی
قفس بھی اُن کو نظر آشیاں سے آتے ہیں

فرماتے ہیں: یہ عقل اس دنیا کیلئے دی گئی ہے۔ دنیا میں آنے سے پہلے عقل نہیں تھی اور دنیا سے جانے کے بعد عقل نہ ہوگی۔ تو جب عالم ارواح میں پوچھا گیا تھا کہ کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں؟ تو سب نے کہا تھا: ہاں! تو ہمارا رب ہے۔ عقل تو تھی نہیں۔ جب قبر میں سوال یہ ہوں گے تو کیا عقل سے جواب دو گے۔ نہیں نہیں عقل سے نہیں، تو پھر کیا چیز ہے جو عالم ارواح میں بولی اور قبر میں بولے گی۔ تو سنو! وہ ہے عشق۔ عالم ارواح میں عشق نے ہی کہا: ہاں! تو ہمارا رب ہے اور قبر میں بھی یہی بولے گا کہ میرا رب اللہ ہے میرا دین اسلام ہے اور یہ میرے آقا ﷺ ہیں، جن کے عشق نے مجھے دنیا میں اللہ سے آشنا رکھا۔ بابا جی فرماتے ہیں: عشق میں مبتلا ہو جاؤ! سب ٹھیک ہو جائیگا۔

بابا جی کی انکساری کی بات کریں تو یہ عالم ہے کہ کوئی انوار العلوم کی تعریف کرے اور آپ کی اعلیٰ ترجمہ نگاری کا بیان کرے تو فرماتے ہیں: مجھے تو پتہ نہیں یہ کیسے ہو گیا میں نے تو کچھ بھی نہیں کیا۔ اللہ نے کروا لیا۔ کوئی جذب و مستی کی بات کرے تو کہتے ہیں کہ میرے حضرت کی مہربانی ہے۔ فرماتے ہیں: میرے حضرت خواجہ محمد امیر الدین رحمۃ اللہ علیہ نگاہ ڈالتے تھے تو مستی پیدا ہو جاتی تھی آج تک انہی کی نگاہ کرم کا فیض ہے۔ ایک دن میں نے کہا: کچھ کہنا چاہتا ہوں۔ تو فرمایا: کہو! میں نے کہا مستی عطا فرما دیں۔ تو مسکرا دیے اور خاموش ایسے جیسے کچھ جانتے ہی نہیں اور محفل میں یہ حال کہ سینکڑوں مست کئے ہوئے ہیں۔ پیکر ایسا کہ ہر چیز مست، آنکھیں مست، باتیں مست، حال مست، کیفیت مست اور جس کو دیکھیں وہ ہی مست۔ فرماتے ہیں میں تو کچھ بھی نہیں کرتا بس حضرت کا کرم ہے اور جب خود پر کیفیت طاری ہو دنیا ہی بدل جاتی ہے تمام عالم محو رقصاں ہو جاتا ہے خود شمع بن جاتے ہیں ہمیں پروانہ بنا لیتے ہیں۔ شمع بھی ایسی جس پر شمعیں رشک کریں۔

تیری دِلرُبا سی مستی میری زندگی کا حاصل
تیرا اُٹھنا جھُوم جانا میری زندگی کے پھیرے

چھوٹوں سے محبت ایسی کہ ہر خاص و عام کہے میرے بابا جی میرے بابا جی۔ لوگ اپنے پیروں کے ناز اٹھاتے ہیں،

زانکہ جاہل جہل را بندہ بُوَد
کیونکہ جاہل اپنے جہل کا غلام ہوتا ہے

چونکہ تو پندش دہی اُو نشنَود
تو اُسے نصیحت کریگا تو وہ بالکل نہیں سُنے گا

ہمارے باباجی ہمارے ناز اٹھاتے ہیں۔ کوئی پریشاں ہو تو فکر مند ہو جائیں۔ کوئی بیمار ہو تو خبر گیری کریں۔ کوئی ملنے نہ آئے تو خود رابطہ کر لیں۔ سر پر ہاتھ رکھیں تو سر فخر سے بلند۔ سینے سے لگائیں تو پتھر بھی موم ہو جائیں۔ بات کریں تو دوست بن کر۔ نصیحت کریں تو شفقت پدری کے پھول جھڑیں۔ غرض یہ کہ ہر بات ہی نرالی ہے۔

یہ حُسن و عشق کا ہے اتحاد یک رنگی
وہی ہے مرضیٔ محمود جو ایاز کرے
بنائے زندہ وجاوید یار کھے بیدم
میری سر آنکھوں پر جو کچھ نگاہِ ناز کرے

پاس بیٹھے ہوں تو مستی میں گم اور توجہ ایسی کہ جو بات ہمارے دل میں آئے وہی بات کریں یعنی سوال کے بغیر ہی جواب عطا ہو جائے۔ فراق ہو تو ایسا لگے ساتھ ساتھ ہیں دستگیری کر رہے ہیں۔ یاد آئیں تو آتے چلے جائیں۔ پاس آئیں تو بھاتے چلے جائیں۔ بات کریں تو سکوت طاری ہو اور خاموش ہوں تو ہلچل مچا دیں۔ بندہ نوازی ایسی کہ مجھ جیسے حقیر اور پُر وحشت کو بھی نبھا رہے ہیں اور کرم نوازی ایسی کہ اپنے ساتھ ساتھ رکھتے ہیں۔ جہاں کہیں کوئی پریشانی پریشان کرے تو فوراً یاد آ جاتے ہیں اور کبھی خواب میں آ کر تربیت فرما دیتے ہیں۔

صلی ٹاؤن میں میرا گھر زیر تعمیر تھا۔ جس دن محفل خانے کا لینٹر ڈلنا تھا باباجی سے درخواست کی کہ آپ تشریف لایئے گا۔ باباجی تشریف لے آئے۔ والد بزرگوار حاجی عبدالوحید امیری صاحب بھی تشریف لائے ہوئے تھے۔ ختم شریف پڑھا گیا، لنگر تقسیم کیا گیا۔ باباجی اور والد صاحب نے بھی تناول فرمایا۔ اسی دوران لینٹر ڈل رہا تھا کہ اچانک بادل گرجا اور بارش کا موسم ہو گیا، کالے بادل گھر کے آئے۔ ایسا لگتا تھا کہ بارش اب ہو کہ اب ہو۔ میں نے عرض کی: اگر بارش ہو گئی تو کافی نقصان ہو جائے گا۔ فرمانے لگے لینٹر مکمل ہونے میں کتنی دیر ہے، میں نے کہا: تقریباً ایک گھنٹہ لگے گا۔ خاموش ہو گئے پھر بولے لینٹر مکمل ہونے کے کتنی دیر بعد بارش ہو تو لینٹر محفوظ رہے گا۔ میں نے کہا آدھ گھنٹہ۔ اس کے بعد باباجی اور قبلہ والد صاحب کافی دیر بادلوں کی طرف دیکھتے رہے اور لینٹر مکمل ہونے تک وہیں تشریف فرما رہے۔ پھر آدھا گھنٹہ اور انتظار کیا۔ آدھے گھنٹے بعد فرمانے لگے اب ہم چلتے ہیں۔ گاڑی میں بیٹھ کر روانہ ہو گئے۔ ابھی روانہ ہوئے ایک یا دو منٹ ہی ہوئے تھے کہ ایسی موسلا دھار بارش ہوئی کہ الامان الحفیظ۔ بعد میں معلوم ہوا کہ صلی ٹاؤن میں بارش اب شروع ہوئی لیکن

آس پاس کے علاقوں میں ایک گھنٹہ سے بارش ہو رہی ہے۔ میں نے ایک دن اس واقعے کا ذکر کیا تو مسکرا کے ٹال دیا۔

کچھ سال پہلے باباجی کچھ عرصے کیلئے امریکہ میں مقیم رہے۔ اس دوران ہماری عجیب کیفیت رہتی تھی۔ باباجی کے فراق میں دل مچلتا تھا۔ ایک دن دل میں زور کا طوفان آیا۔ بے حد یاد آئے۔ دل میں طوفان کا اٹھنا تھا کہ آنکھیں بھی مینہ برسانے لگیں۔ دل تھا کہ کسی صورت سنبھلتا ہی نہ تھا۔ اسی دوران کچھ دیر کیلئے آنکھ لگ گئی۔ پھر کیا تھا فوراً تشریف لے آئے۔ خوب شفقت فرمائی' سینے سے لگایا پیار کیا۔ جب دل کی تسلی ہوئی تو آنکھ کھل گئی۔ ایسا لگا جیسے ابھی میرے پاس موجود تھے اور پورے کمرے میں آپ کی خوشبو بکھری ہوئی تھی۔ دل کو اطمینان ہوا۔

چین تم سے قرار تم سے ہے
زندگی کی بہار تم سے ہے

اس پرفتن دور میں جب ہر سو نفسا نفسی پھیلی ہوئی ہے۔ یہ اللہ رب العزت کا خاص فضل اور انعام ہے کہ ہم بے چاروں کے چارہ گر ہم میں موجود ہیں۔ ظلمت کے اندھیروں میں میرے باباجی ایک مینارۂ نور ہیں جو ہمارے دل ودماغ کو روشن کیے ہوئے ہیں۔ اللہ رب العزت باباجی کو سلامت رکھے' ان کا سایہ ہمارے سروں پر ہمیشہ قائم ودائم رکھے۔ آپ کو عمر خضر عطا فرمائے اور روز قیامت آپ کے ساتھ حضور نبی کریم ﷺ کے جھنڈے تلے رکھے۔

ہر ایک لفظِ محبت کا معانی تم سے
عشق کی جادوگری ہست نے جانی تم سے
تیرے بغیر کوئی مقصدِ حیات نہیں
جسم میں جان سانسوں میں روانی تم سے
تم سے ہے میری تمناؤں کی دُنیا آباد
میری اُمید کے دریاؤں میں پانی تم سے
بُوئے گُل اور ستم خیز فضائیں ساری
موسمِ گُل کی ہواؤں میں جوانی تم سے

قابلِ فخر ہُوں میری زیست کا عنوان تم ہو
جانِ جاناں میرے ہونے کی نشانی تم ہو
مَیں نے رضوان کو فرقت میں تڑپتے دیکھا
یُوں لگا جیسے محبت ہے پُرانی تم سے

آخر میں اظہر بھائی کا شکر گزار ہوں جن کی انتھک محنت اور کاوش سے انوار العلوم کا دلکش ایڈیشن آپ کے ہاتھ میں ہے۔ مجھ پر ان کی بہت شفقت ہے کہ مجھ بندۂ ناچیز کو انہوں نے یہ ذمہ داری سونپی کہ باباجی کی شخصیت کی ترجمانی کر سکوں۔ اللہ رب العزت اظہر بھائی کو اس کا اجرِ عظیم عطا فرمائے اور اپنے خاص فضل و کرم سے سرفراز فرمائے۔ (آمین)

محمد رضوان وحید
مئی ۲۰۱۳ء
صَلی ٹاؤن، لاہور

گرگ اگر با تو نماید رُو بہی
ہیں مکُن باور کہ ناید زُو بہی
بھیڑیا (بُرا آدمی) اگر تمہارے ساتھ چالاکی کرے
خبردار یقین نہ کر کیونکہ اُس سے بھلائی ہو ہی نہیں سکتی

میرے باباجی

میں اُسے ڈھونڈ نہیں رہا تھا۔ مجھے یہ بھی نہیں پتہ تھا کہ یہ کیا ہے؟ لیکن جیسے ٹھنڈی کیفیت بھری برکھا' سخت اور سوکھے ریگزار پر بچھتی چلی جاتی ہے' ویسے ہی میرے دل کے اندر ایک موہوم آواز بازگشت کرتے ہوئے اُبھرنے لگی۔ یہ ایک ایسی انوکھی آواز تھی جو غور کرنے پر سناٹے میں بدل جاتی تھی اور سنائی نہیں دیتی تھی' صرف محسوس ہوتی تھی۔ اُس نونہال کی دھڑکن کی طرح جو آپ کی چھاتی پر لیٹا آہستہ آہستہ سانس لے رہا ہو' اُس آواز کو سن کر میرے اندر ایک انجانا سا خوف پیدا ہو جاتا کہ کہیں...... مگر پھر وہی آواز سرگوشی میں اپنے متبرک ہونے کا دلاسہ دیتی۔ بشریت کا تو یہی تقاضا تھا کہ میں اُس آواز کو عقلی دلیلوں سے سمجھنے کی کوشش کروں یا پھر بے معنی سمجھ کر ذہن کے کسی ایسے طاقچے میں رکھ دوں جہاں سے اُس کی یاد نہ آئے۔ اس کشمکش نے مجھے جہاں شروع شروع میں بہت تکلیف دی وہاں آخر آخر میں یہ صوتی ساتھ ایک راحت پذیر' گداز کیف اور جانا پہچانا سا ہو گیا اور ہر دم میرے ساتھ رہنے لگ پڑا۔

ایسی پر اسرار اور قدرے الجھی صورتحال میں مَیں نے اپنے پرانے رفیق ڈاکٹر انیق احمد (فرزند ارجمند اشفاق احمد صاحب) کے ساتھ تال میل جوڑی' جن کے گھر "داستان سرائے" کی دریا دلی اور محبت نے میرے دل میں کسی وقت رُوحانیت کے دیے جلائے تھے۔ مجھے اُن کی روشنیوں کا اُس وقت شعوری طور پر احساس نہیں تھا' جیسے ہی میں نے اپنی رام کہانی انیق بھائی کو سنائی۔ اُنہوں نے میری مشکل کو جانچتے ہوئے فوراً کہا "انوار العلوم" پڑھو' میرے لئے اُن کی کہی ہوئی بات حکم سے کم نہ تھی۔ لیکن اردو زبان کو پڑھے ہوئے پچیس برس گزر چکے تھے اور اس کتاب کو پڑھنا جوئے شیر لانے کے مترادف تھا۔ کہتے ہیں جہاں نیت ہوتی ہے وہاں راستے بھی نکل آتے ہیں اور جہاں اللہ کی چاہت ہوتی ہے وہاں پتھروں سے بھی چشمے نکلنے شروع ہو جاتے ہیں۔ میں نے اپنی امی کو لاہور فون کیا کہ وہ مجھے "انوار العلوم" کی ایک جلد بھیج دیں تاکہ میری بھٹکی ہوئی رُوح کی کچھ اصلاح ہو سکے۔ ایسی رُوح جو پچھلے چالیس برس سے انا' ناشکر گزاری اور گناہوں کی تنگ و تاریک کال کوٹھری میں بند رہی ہو۔

"انوار العلوم" کی کاپی جلد ہی میرے پاس آ گئی اور اس کو پڑھنے کا تردد بھی عیاں ہو گیا۔ لیکن پڑھتے پڑھتے جب

کسی قدر اس میں روانی پیدا ہوئی تو اس طلسمی کتاب کی زبان نے میرے ذہن سے زیادہ دل پر اثر کرنا شروع کر دیا۔ کتاب میں دیئے ہوئے پیغامات' واقعات اور شاعری نے میرے دل کے نہاں خانے میں ایک عجیب سا رستہ بنا دیا اور اس قلبی تبدیلی کو میں شدت سے محسوس کرنے لگا۔ میرا دل اُس نرم گوندھی ہوئی مٹی کی طرح ہو گیا جس کو کمہار اپنے گرم' آسودہ اور آشنا ہاتھوں سے چاک پر برتنوں میں ڈھالتے ہیں۔ جتنا میں اس کتاب کو پڑھتا گیا اتنا ہی زیادہ میرے دل میں ایک راہبر کی تلاش بڑھتی گئی۔ میرا دل بار بار یہی کہتا کہ کاش ایک خدا رسیدہ ہو جو مجھ کو میری اتھاہ گہرائیوں میں سے نکال لے۔ میری یہ چاہت اگلے دو مہینوں میں میرا ورد بن گئی میں نے اپنی عبادت بڑھا دی اور اللہ سے ایسے شخص کا سوالی ہو گیا کہ جس کی مجھے چاہت تھی۔

پھر ایک روز انیق بھائی کا فون آیا اور اُنہوں نے کہا کہ جس کتاب کو تم پچھلے اڑھائی مہینوں سے پڑھ رہے ہو اُس کے مصنف نیوجرسی (امریکہ) آئے ہوئے ہیں۔ مل لو۔ مجھے نیوجرسی میں رہتے ہوئے دس سال گزر چکے ہیں۔ ''انوارالعلوم'' کے مصنف کا یوں نیوجرسی آ جانا مصلحت سے خالی نہ تھا' فون رکھنے کے بعد میں اس سوچ میں پڑ گیا کہ میں ''انوارالعلوم'' کے بارے میں کیا پوچھوں گا؟ اس کے مصنف کو کس طرح سے متاثر کروں گا؟ کیا کہوں گا کہ یہ کیسی عمدہ کتاب ہے؟ کیسے اس کتاب نے رُوحانیت کے مسائل کو باریک بینی کے ساتھ پرکھا ہے۔ اپنی نالائقی سے جن سوالات کا تانا بانا میں بُن رہا تھا وہ محض اس رشتے کی نشان دہی کر رہے تھے جو ایک پرستار اور نامی مصنف کے درمیان ہوتا ہے۔

آخر کار 23 فروری 2007ء کا دن آ ہی گیا' اور ایسا تحفہ لے کر آیا کہ جس نے مجھے ماضی کی یاد اور مستقبل کی پریشانیوں سے دھو کر رکھ دیا۔ ایسے لگتا تھا کہ جنت کا نور اُمڈ آیا ہو۔ جناب قبلہ محمد عالم امیری مدظلہٗ کی دمک نے میرے اندر ایک مشعل کو روشن کر دیا ہو۔ فوراً ہی میں نے اپنے آپ کو اُن کے قدموں میں بیٹھا ہوا پایا۔ دل یہ کہہ رہا تھا کہ میں اُن کے قدموں میں یوں ہی بیٹھا رہوں۔ پھر یکا یک اُنہوں نے مجھے ماں کی ممتا اور باپ کی طاقت کے ساتھ کھڑا کیا اور میری آنکھوں میں جھانک کر دیکھا تو دونوں طرف سے آنسو کی ندیاں بہنے لگ پڑیں۔ پہلی ہی بار اپنی آغوش میں لینے پر مجھ کو اُن میں سے اپنوں کا سا احساس ملا۔ نتیجہ یہ نکلا کہ میرے سارے سوالات جو میں سوچ کر آیا تھا بے معنی ہو کر رہ گئے' بالکل میرے وجود کی طرح۔ میں اللہ کے بھیجے ہوئے اس بندے کی عظمت اور فضل میں مدغم ہو کر رہ گیا۔ اس پہلی ملاقات نے مجھے اُن کا اسیر بنا دیا اور وہ میری رُوح کے مالک ہو گئے۔ میں دل کے کسی کونے میں اللہ کا شکر ادا کر رہا تھا کہ اُس نے میری

جُوع مر خاصانِ حق را دادہ اند　　تا شوند از جُوع شیر زورمند
بھوک صرف خاصانِ حق کا حصہ ہے　　تاکہ رُوحانی طور پر شیر بن جائیں

رُوح کی شفاعت کے لئے یہ سب کچھ کیا ہے۔

باباجی جناب قبلہ محمد عالم امیری مدظلہ میرے دل اور خیالوں میں رچ بس گئے۔ بار ہا یہ خیال آتا میں اِس بیش بہا دولت کا کسی بھی طرح اہل نہیں تھا' یہ محض باباجی کی فیض رساں' دلسوز و عمیق نظر تھی کہ اُنہوں نے مجھ جیسے حقیر شخص کو اپنی لا محدود محبت کے دائرے میں پناہ دی۔ کچھ ہی دنوں میں اُن کی رُوحانی فضیلت کو محسوس کرنے لگا۔ میں پچھلے تیس برس سے نماز پڑھ رہا تھا لیکن باباجی سے ملاقات کے بعد نماز میں رُوحانی لگن اور دل بستگی کچھ ایسی پیدا ہوئی ہے کہ بیان سے باہر ہے۔ آہستہ آہستہ نماز پڑھتے وقت یہ کیفیت پیدا ہونی شروع ہوگئی کہ میرا جسم تو نیوجرسی میں ہوتا لیکن میرا وجود خانہ کعبہ میں۔ اللہ کے شکر سے اور باباجی کے دم قدم سے اس نایاب بصیرت کے تحفے نے میری زندگی کے تمام قیمتی تحفوں کو ہیچ کر کے رکھ دیا۔ میں اپنے الفاظ سے اس بیش بہا تحفے کی قدر و منزلت بیان نہیں کرسکتا۔ مگر اتنا ضرور کہوں گا کہ اگر میری نماز میں یہ بات شامل نہ ہوتی تو یقیناً میری نماز ادھوری ہی رہ جاتی۔ بہر کیف مجھے اس بات کا اب بھی احساس ہے کہ میں باباجی کی دعاؤں اور نیک تمناؤں کا کبھی شکریہ ادا نہیں کرسکتا۔

باباجی میں یہ خصوصیت بے بہا ہے کہ وہ لوگوں کو بہت آسانی سے بدل دیتے ہیں۔ کبھی تیزی کے ساتھ اور کبھی آہستہ آہستہ۔ باباجی کا یہ عمل اتنا کارگر ہے کہ ماننے والے کو پتہ ہی نہیں چلتا کہ اُس کی پچھلی زندگی کی طرز بالکل نئی کیسے ہو کے رہ گئی؟ جیسے ہی ماننے والے کو اس تبدیلی کا احساس ہوتا ہے وہ اس کو باباجی کے ساتھ منسلک کئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ باباجی کی نظرِ کرم نے جب مجھے اس تبدیلی کا احساس دلایا تو میرے لئے اپنی پچھلی اور نئی زندگی میں رشتہ گانٹھنا مشکل ہوگیا کیونکہ پچھلی زندگی کے کڑوے سچ کو نگلنا آسان نہ تھا۔ اپنا مشاہدہ کرنا اور اپنی کوتاہیوں کو ماننا کانٹوں پر چلنے کے مترادف تھا۔ جیسے ہی اندر کا ایک کلنک دھل کر تہ ہوتا ایک نیا عیب مجھے گھائل کر دیتا۔ میں باباجی سے شکایت کرتا تو وہ یہی کہتے کہ اپنے ساتھ سچا ہونے سے ہی تلاش اصل حقیقت تک پہنچ سکتی ہے۔ صرف سچائی ہی حقیقت کے ساتھ جڑ سکتی ہے۔ نہ صرف باباجی نے میرا اور "اللہ" کا ساتھ جوڑا بلکہ ہماری دوستی بھی کروائی۔ جب سے باباجی نے میری انگلی پکڑی ہے تب سے مجھے اپنی زندگی کی سمت کا شعور ہوا۔ وہ ہر وقت مجھے یاددہانی کرواتے رہتے کہ ہماری زندگی میں لوگ بہت ضروری ہیں کیونکہ وہ ہماری زندگی کو تشکیل دیتے ہیں اللہ کے فضل کے ساتھ۔

"انوار العلوم" ایک معجزہ ہے جو باباجی کے محبت بھرے دل کا سرچشمہ ہے۔ جب بھی میں اِس کتاب کا مطالعہ کرتا

ہیں توکّل کُن ملرزاں پا و دست تُو توکّل کر اور رزق کیلئے زیادہ ہاتھ پاؤں نہ مار	**رزق تو بر تو ز تو عاشق ترست** تیرا رزق تجھ پر تجھ سے زیادہ عاشق ہے

ہوں تو میرے ذہن کے وہ نہاں خانے اُجاگر ہو جاتے ہیں کہ جن کا مجھے پتہ بھی نہیں ہوتا۔ اس کتاب کا جوہر باباجی کی محبت ہے جو میرے دل میں پیوستہ ہے اور ہمیشہ رہنے کے لئے ہے۔

کوئی میرے دل سے پُوچھے تیرے تیرِ نیم کش کو
یہ خلش کہاں سے ہوتی جو جگر کے پار ہوتا

یہ الفاظ میرے ''اللہ'' اور میرے ''باباجی'' کا شکریہ ادا کرنے کو کافی نہیں، لیکن شاید جب میں ان دونوں کو یاد کرتے وقت جذبات میں بھیگ جاتا ہوں تو میں سمجھتا ہوں کہ میری عقیدت و محبت اشاروں میں شکریہ ادا کرتے ہوئے ادا ہوئی ہے۔

مترجم، ڈاکٹر انیق احمد
نیوجرسی (امریکہ)

عمیر ذکاءفضلی
جنوری ۲۰۰۹ء
نیوجرسی (امریکہ)

سالہا خوردی و کم نامد زخور
تُو نے سالوں کھایا اور وہ کھانے سے کم نہ ہوا

ترکِ مُستقبل کُن و ماضی نگر
آئندہ کو چھوڑ ماضی پر غور کر

موورے پریتم

جب بھی کوئی باوقار ہستی کسی کے شعور میں اس کے اپنے خیال سے زیادہ عیاں ہوتی ہے تو آہستہ آہستہ اس کی ذات کی نفی ہونے لگتی ہے۔ ایسی جھلک ہمیں ایسا تجربہ فراہم کرتی ہے کہ جس میں اپنی ذات بے ذات ہونے لگتی ہے' یہ ایک ناقابلِ یقین اور بیان سے باہر تجربہ ہوتا ہے۔ باباجی میرے خیالات کی دنیا کے مستقل مکین ہو گئے ہیں۔ درحقیقت وہ اس عالم (عالمِ خیالات) کے عالم پناہ ہیں۔ مجھے یہ تصور تھا کہ میں نے ہی ان کو جبر حی سے کھینچ کر اپنے خیالات میں داخل کیا ہے اور ٹھہرائے ہوئے ہوں جب تک میرا جی چاہے۔ مگر حقیقت اس کے برعکس ہے۔ یہ باباجی کی محبت کی رعنائی' اعلیٰ ظرفی اور پاکیزگی ہے کہ جس نے اپنے بازو میری ذات کے گرد حائل کیے ہوئے ہیں۔ ان کا ذکر بے عیب ہیرے کی طرح میرے دل میں جڑا ہے اور اس سے دھنک کی مانند چمکدار روشنی نکلتی ہے جو میرے ہر کالے کونے کھدرے کو مستقل طور پر جلا بخشتی رہتی ہے۔

اپنی زندگی میں جن تجربوں کو بے وقوفی سے ''محبت'' سمجھتا رہا' جو طرح طرح کی شکلوں میں خوبصورت اور باریک کاری گری سے بنے ہوئے قلعوں کی مانند تھے اور ان کو میں نے ذاتی خواہشات' انا اور تخیل کی بے پیکر ریت سے ایستادہ کیا ہوا تھا۔ اس لئے ان خیالی اور سطحی ایوانوں کے مقدر میں چور ہونا یقینی تھا۔ عشق' بے غرض محبت' ایک ایسا موتی تھا جو میرے اندر کے تاریک ساگر کی اتھاہ گہرائیوں میں پڑا تھا اور میرے محبوب باباجی نے مجھے اوزاروں سے لیس کر کے' ہاتھ پکڑ کے اپنی روحانی رہنمائی میں میرے اندر غوطہ لگایا اور گہرائیوں سے مجھے یہ چمکدار نگینہ لا کر پکڑا دیا۔ یہ سچی محبت تھی' پاکیزہ محبت تھی' روحانی محبت تھی اور صرف محبت تھی۔

میں نے جنون کے دھانے پر زندگی گزاری ہے۔
وجوہات جاننے کیلئے' دروازہ کھٹکھٹا رہا ہوں۔
جب کھلا۔ تو معلوم ہوا کہ میں اندر ہی کھڑا کھٹکھٹا رہا تھا۔

(مولانا جلال الدین رومی رحمۃ اللہ علیہ)

"I have lived on the lip
of insanity, wanting to know reasons,
knocking on a door. It opens.
I've been knocking from the inside."
— Maulana Jalal ud Din Rumi

لوت پُوتِ خوردہ را ہم یاد آر
کھائے ہُوئے مرغن کھانوں کو یاد کر

منگر اندر غابر و کم باش زار
مستقبل کو نہ دیکھ اور بدحال نہ بن

عشق ایک خمار ہے' جو وقتاً فوقتاً آپ کو اپنے پروں پر بیٹھا کر جنت کی وادی میں لے جاتا ہے اور اس زندگی میں اُس نشے کو چکھاتا ہے کہ جس کی لت پڑ جائے۔ اس آتشی پانی کو چکھنے کے بعد روح پر مستقل اثرات مرتب ہوتے ہیں۔ اس یاترا کا زیادہ یا کم ہو جانا مرشد کے بابرکت ہاتھوں میں ہوتا ہے تا کہ روح اپنے نسبی گوہر کو بوسہ دے کر فانی پیکر میں آ کر رہے۔ باباجی کی بے انتہا نوازشات کی وجہ سے پہلی ہی ملاقات کے فوراً بعد مجھے ایسے سفر کا احساس ہو گیا۔

باباجی اس گلاب کے پھول کی طرح ہیں جو میرے جیسے کئی مریدین کے خیالات میں کھلتا ہے۔ یہ ایک ایسا بہشتی اور بے خود کر دینے والا پھول ہے جو مریدین کے آنسوؤں سے سیراب ہوتا ہے۔ خاص کر جب وہ بے یارومددگار' باباجی کی یاد میں غرق ہوں۔ اس کے جواب میں باباجی سانس نکالتے ہوئے الاللہ کی خوشبو کا جھونکا چھوڑ دیتے ہیں جوان کے ہر ماننے والے تک پہنچتا ہے اور ان کی روحوں کو مزید پیوست کئے ہوئے مدہوش کر دیتا ہے۔

بابرکت ہیں وہ خوش نصیب جن کو باباجی کی خدمت میں جسمانی طور پر حاضری کا شرف حاصل ہوتا ہے اور وہ جو اس خوش قسمتی سے محروم ہیں' ان سے باباجی ایک ایک کر کے ایک منفرد دنیا میں ملتے ہیں۔ ایسے روحانی لمحات صرف باباجی کی وجہ سے ہیں اور ہماری زندگیوں میں گراں قدر جواہرات کی طرح ہیں جو ہمیں روشنی دیتے رہتے ہیں۔

آپ کے ساتھ' میری جان' نرگ بھی رضوان ہے۔
آپ کے ہمراہ بندی خانہ بھی گلستان ہے۔
آپ کے ساتھ دوزخ' خوشی کا ایوان ہے۔
آپ سے جدا' دودھیا اور گلاب' آگ کا سیلان ہے۔

(مولانا جلال الدین رومی رحمۃ اللہ علیہ)

With thee, my love, hell itself were heaven.
With thee a prison would be a rose-garden.
With thee hell would be a mansion of delight,
Without thee lilies and roses would be as flames of fire!
— Maulana Jalal ud Din Rumi

اس میں کوئی شبہ نہیں کہ انا کو سکیڑ کر نقطہ ہلاکت تک لے جانا ضروری ہے۔ یہ ایک واحد ضروری شرط ہے کہ جس سے روحانی راستے کے پھاٹک کی کنجی دستیاب ہوتی ہے۔ تاہم باباجی نے مجھ پر یہ راز آشکار کیا کہ ذات کی بے رغبتی' آزادی کے راستے کیلئے مخالفانہ اور مزاحمت پذیر رکاوٹ بن سکتی ہے۔ ان کی اس بات سے ایسا محسوس ہوا کہ انہوں نے میرے اندر کے اقرار کی بھٹی میں پکی ہوئی منکر مٹی کو کھود نکالا ہو' ایسی مٹی انسان کے نہ ختم ہونے والے نقائص اور ادھورے پن کی بھڑکتی ہوئی آگ میں پکتی رہتی ہے۔ جب جب میں نے اپنے اندر کی ذات کو ماننا اور رفیق جاننا شروع کیا اس وقت مجھے

ہست بادام کم خوش بیختہ
تھوڑے سے مزیدار بادام بھی

بہ ز بسیارے بتلخ آمیختہ
بہت سے کڑوے ملے ہوؤں سے بہتر ہوتے ہیں

حقیقی برکتوں کا اندازہ ہونا شروع ہوا۔ ایسے لگنے لگا جیسے باباجی نے میرے نقائص پر ایک نرم اور ریشمی چادر ڈال کر ان کو جگ راتے کے بعد نیند دلا دی ہو اور میری اندرونی ذات کے اس بے نجس حصے کو جگا دیا۔ ایسی پاکیزگی کا مجھے اقرار، اعتراف اور شکریہ ادا کرنا تھا۔ پھر بارش پڑنے لگی اور موسلا دھار پڑی۔ مجھ پہ لذت کا رقص سوار ہو گیا اور ناچتے ناچتے گھٹنوں کے بل عاجزی کا بت بن کر گر پڑا۔ جیسے بنجر ریگ زار بہار کی آمد سے چھن جائے، مجھے عجیب سی تازگی نے اندر باہر سے گھیر لیا۔

تم رقص کرو جب ٹوٹ کے کھل جاؤ۔
تم رقص کرو جب پٹی کاٹ اتاری ہو۔
تم رقص کرو جدل کے بیچ
تم رقص کرو اپنے خون میں نہا کر
تم رقص کرو جب بے عیب آزاد ہو
(مولانا جلال الدین رومی ؒ)

*"Dance, when you're broken open.
Dance, if you've torn the bandage off.
Dance in the middle of the fighting.
Dance in your blood.
Dance when you're perfectly free."
— Maulana Jalal ud Din Rumi*

یہ کیسے ممکن ہے کہ کوئی شخص میری زندگی میں اتر آئے اور مجھے دوبارہ مجسم کرے؟ زمین پر ایسا کیسے ممکن ہو سکتا ہے کہ طوفان کے بعد طوفان آتا رہے اور مجھے پہلے کی نسبت زیادہ صاف اور منکسر المزاج چھوڑ جائے؟ ان سب باتوں کی کیا تشریح ہے؟ پے در پے میرے ذہن میں سوال ابھرتے رہے۔ پر میں نے کسی ایک کی طرف بھی توجہ نہیں دی۔ میں کیونکر ان کی پروا کرتا۔

"چلا پیا گھر آ جاوے او تے شکر وَنڈ دا پھر دا اے"۔

باباجی ایک سدا بہنے والا بے انتہا محبت کا دریا ہیں۔ میں اس دائمی دریا میں بہاؤ پذیر ہوں اور کسی قدر اس میں ڈوبا ہوا بھی ہوں، پر دل کی یہ گہری تمنا ہے کہ ایک دن اس میں مکمل طور پر غرق ہو جاؤں۔ وہ دل اور روح کے لئے جاں بخش رسی ہیں۔ ان پر ایک نظر آنسوؤں کے اس سمندر کو آزاد کر دیتا ہے جو اللہ جانے کب سے باہر نکلنے کیلئے بے تاب ہوتے ہیں۔ ایسا اثر میرے باباجی کا آدمی کی روح پر ہوتا ہے کہ جس سے اللہ کے اس سفیر کو دیکھ کر جان پڑ جاتی ہے۔ روح اپنے تاجی کی آمد پر جشن مناتی ہے اور لگاتار چکردار رقص اس کی خوشی کا اظہار بن جاتا ہے۔ باباجی کے الفاظ ہمارے زخموں پر مرہم کا کام

کرتے ہیں۔ان کی دعاؤں میں یہ قوت ہے کہ دنیا کے جھمیلے بخارات بن کر اڑ جاتے ہیں۔ان کی مسکراہٹ جنت کی ہوا معلوم ہوتی ہے۔ان کی ہنسی کانوں کے لیے جنت کے نغموں کی مانند ہے۔ان کے آنسو وہ موتی ہیں جو اللہ کے ہار سے ٹوٹ ٹوٹ کر گرتے ہیں۔

My HEART, so precious,
I won't trade for a hundred thousand souls.
Your one smile takes it for free.
- Maulana Jalal ud Din Rumi

میرا دل قیمتی ہے۔
کہ میں ہزار جانوں پر بھی اس کا سودا نہ کروں۔
مگر تمہاری ایک مسکراہٹ اس کو بلا قیمت لے جاتی ہے۔

(مولانا جلال الدین رومی رحمۃ اللہ علیہ)

بابا جی نے مجھے اپنے ساتھ چند گہرے رازوں میں شریک کیا ہے۔ان میں سے ایک یہ ہے کہ ہر تجربہ اور شخص ہماری زندگی میں ہم کو سیکھنے اور ترقی کا موقع دیتا ہے تا کہ ہم اپنی پرانی ذات کو پیچھے چھوڑ دیں۔ہمارے ردعمل اور ہمارے جوابی فعل مختلف حالات میں' لوگوں کے ساتھ میل جول ہم کو ہمارے اصل قالب میں ڈھالتا ہے۔ہر حالت اور ہر شخص کا خیر مقدم کرنا چاہیے کیونکہ ہم کو معلوم نہیں کہ وہ ہمارے لیے کونسے تحفے لا رہے ہیں۔اس سبق میں بہت سی سچائی ہے اور میں کوشش کرتا ہوں کہ میں ہر وقت ہر روح سے شعوری طور پر چوکنا رہوں۔

"This being human is a guest house. Every morning is a new arrival. A joy, a depression, a meanness, some momentary awareness comes as an unexpected visitor...Welcome and entertain them all. Treat each guest honorably. The dark thought, the shame, the malice, meet them at the door laughing, and invite them in. Be grateful for whoever comes, because each has been sent as a guide from beyond."
— Maulana Jalal ud Din Rumi

"یہ انسان ایک مہمان خانہ ہے۔ہر صبح ایک نئی آمد ہے۔ایک خوشی' ایک دکھ' ایک کمینگی اور ایک لمحے بھر کا شعور جو غیر متوقع آنے والے کی طرح ہوتا ہے۔سب کا خیر مقدم کرو سب کی خاطر تواضع کرو۔ہر مہمان کے ساتھ عزت کا سلوک کرو۔ایک تاریک خیال' ایک خفت' ایک بغض' سب کو دروازے پر ہنستے ہوئے ملو' اور ان کو اندر آنے کی دعوت دو۔جو بھی آتا ہو اس کیلئے شکر گزار ہو جاؤ' کیونکہ جو آتا ہے وہ ایک رہنما کی طرح پرے سے آتا ہے"۔

(مولانا جلال الدین رومی رحمۃ اللہ علیہ)

چوں طمانین ست صدقِ با فروغ | دِل نیارامد بگفتارِ دروغ
چونکہ روشن سچائی دلی اطمینان کا باعث ہے | اور جھوٹ کہنے سے دل کو کبھی اطمینان حاصل نہیں ہوتا

سو اس سوال "باباجی کون ہیں" کا جواب دینا تقریباً ناممکن ہے۔ اس لئے کہ ان کی خصوصیات لفظوں اور زبان کی گرفت سے باہر ہیں۔ باباجی کو صرف قلب ہی محسوس کرسکتا ہے۔ جس وقت باباجی میرے خیالات کی بندرگاہ میں لنگرانداز ہوتے ہیں تو وہ میری جلد میں پیوست ہو کر ایک ایسی کرسی پر بیٹھ جاتے ہیں کہ ایسے لگتا ہے کہ میری روح میں دل اتر آیا ہو مخملیں گرمایش لئے ہوئے۔ مشک کی خوشبو میری سانسوں میں بس جاتی ہے اور میری دھندلی نظر شفاف بلور کی طرح صاف ہو جاتی ہے' آنسوؤں کی بے قابو جھڑی اور سدا مسکراہٹ میرے جذبات کے ساتھ کھیلنے لگتے ہیں اور ایسے لگتا ہے کہ میرے دل کی دھڑکنیں شہد اور طہور کے محلول میں غوطہ زن ہوگئی ہوں۔

تمام گنوں میں شیرہ نہیں ہوتا' ہر گھائی کی چوٹی نہیں ہوتی۔
ہر آنکھ سجاکھی نہیں ہوتی' ہر سمندر موتیوں سے بھرا نہیں ہوتا۔
اے عندلیب' دھندلے شہد جیسی آواز میں گریہ کرتا رہ
کہ صرف تمہارے گہرے وجد سے ہی چٹان جیسا سخت دل ٹوٹے گا۔
اپنے آپ کو دست بردار کردے اور اگر دوست تمہارا خیر مقدم نہ کرے
تو سمجھ لو کہ تم ابھی اندر سے سرکش ہو اس دھاگے کی طرح
جو سوئی کے نکے میں سے گزرنا نہیں چاہتا
(مولانا جلال الدین رومی رحمۃ اللہ علیہ)

Not all sugarcanes have sugar, not all abysses a peak; Not all eyes possess vision, not every sea is full of pearls. O nightingale, with your voice of dark honey! Go on lamenting! Only your drunken ecstasy can pierce the rock's hard heart! Surrender yourself, and if you cannot be welcomes by the Friend, Know that you are rebelling inwardly like a thread That doesn't want to go through the needle's eye!
- Maulana Jalal ud Din Rumi

عمیر ذکا فضلی
مئی ۲۰۱۳ء
نیوجرسی (امریکہ)

مترجم: ڈاکٹر انیق احمد
مئی ۲۰۱۳ء
نیوجرسی (امریکہ)

میرے گرُو

اِس ہستی کی فضیلت کے بارے میں میری زبان عاجز ہے۔ کیا میں سورج کی چمک دمک اور سمندر کی گہرائی کو لفظوں میں پرو سکتی ہوں؟ اِس ہستی کو کیسے بیان کیا جائے جو بیان سے باہر ہو؟ میں کیا کہوں کہ یہ ذات میرے لئے کیا ہے؟

کچھ عرصے سے میرے شوہر اپنے لئے ایک گرو کی تلاش میں سرگرداں تھے۔ اُن کو اپنے گرو کے بارے میں کچھ پتہ نہیں تھا کہ وہ کون ہیں اور کہاں رہتے ہیں۔ چونکہ یہ تلاش محض خیالی تھی تو بارہا میرے شوہر پریشانی کا شکار ہو جایا کرتے تھے۔ میں اِس ضمن میں اُن کا حوصلہ بڑھاتی اور کہتی تھی کہ وقت کا انتظار کریں' آپ کو گرو مل جائیں گے۔ یہ تسلی صرف میرے شوہر کے لئے تھی کیونکہ مجھ پر یہ بات دن کے اُجالے کی طرح عیاں تھی کہ یہ گرو میرے شوہر کے لئے ہوں گے میرے لئے نہیں۔ مجھے گرو کی ضرورت نہیں تھی۔ میں اپنی ذاتی رُوحانی زندگی سے مطمئن تھی۔

میں سکھ مذہب میں پیدا ہوئی اور جب پروان چڑھ رہی تھی تو اپنے مذہب پر بہت نازاں تھی۔ نوجوانی میں مجھے اور بہت سارے مذاہب کے مطالعے کا اتفاق ہوا۔ ہر مذہب کی کوئی نہ کوئی بات دل کو لگی اور اپنا اثر چھوڑ گئی۔ پھر بیس سال پہلے میری ملاقات ایک پاکستانی سے ہوئی جس سے مجھے بے پناہ محبت ہوگئی۔ شادی کے بعد میں اسلام میں داخل ہوگئی۔ جب مجھے حرمین شریفین کی حاضری کا نادر موقعہ ملا تو اُس واقعہ نے میری زندگی کو تبدیل کر کے رکھ دیا۔

23 فروری 2007ء کو میرے شوہر کی مریادا (مراد) پوری ہوئی اور اُن کو اُن کے گرو مل گئے۔ حیران کن بات یہ تھی کہ میرے شوہر کو کہیں جانا نہیں پڑا۔ گرو جی نیو جرسی میں ہم سے آدھا گھنٹہ دور اللہ کے فضل سے پہنچا دیئے گئے۔ مارچ کی ایک سرد شام کو ہم نے قبلہ محمد عالم امیری مدظلہٗ کو کھانے کی دعوت دی اور جیسے باقی مہمانوں کے لئے کھانا پکایا جاتا ہے اُن کے لئے بھی ایسا ہی تکلف کیا گیا۔ قبلہ محمد عالم امیری مدظلہٗ نے گھر میں داخل ہوتے ہی سب اہلِ خانہ کو محبت بھری پچکاری سے بھگو کر رکھ دیا۔ جیسے ہی میری آنکھیں اُن سے دوچار ہوئیں میں اندر سے بدل گئی۔ مجھے صرف اتنا یاد ہے کہ میں اپنے آپ کو یہی کہتی جا رہی تھی کہ مجھے کیا ہو گیا ہے؟ میں اپنے آپ کو اُن کی طرف دیکھنے سے روکتی تھی تو جذبات کا ایک اُبال اندر سے ٹھاٹھیں مارتا آنکھوں سے ظاہر ہو جاتا۔ ابھی اُن کو آئے ہوئے دس منٹ ہی گزرے تھے کہ میرے دل نے اس

چشمِ آخر بیں تواند دید راست
انجام پر نظر رکھنے والی آنکھ صحیح دیکھ سکتی ہے

چشمِ اوّل بیں غرورست و خطاست
ابتدا کو دیکھنے والی آنکھ دھوکا میں ہے

بات کا اقرار کرلیا کہ قبلہ محمد عالم امیری مدظلہٗ کو میری زندگی کا حصہ ہونا پڑے گا اور یہ میرے بھی گرو ہوں گے۔ بابا جی (قبلہ محمد عالم امیری مدظلہٗ) سے ملنے کے ایک ہفتے بعد میں اُن کی مرید بن گئی۔

بابا جی خدا رس انسان ہیں۔ وہ مذہب اور رُوحانیت کی محبت بھری تصویر ہیں۔ وہ تکلیف پر مرہم رکھتے ہیں اندھیرے کو دور کرتے ہیں اور غم کا مداوا کرتے ہیں۔ وہ ہزار ہا کتابوں کے برابر فہم رکھتے ہیں۔ اُن کی فراست افضل ترین ہے اور اُن کی رحم دلی ہزاروں ماؤں کو نچوڑ کر بنی ہے۔ اُن کی نظر تعصب سے پاک ہے۔ تبھی اُن کی محبت کسی قسم کی توقع اور شرط سے مُنزّہ ہے۔ ایسی محبت میں نے پہلے کبھی دیکھی نہیں تھی۔ اس محبت کی پاکی سے بسا اوقات میرا اُن کے پاس بیٹھنا مشکل ہو جاتا تھا کیونکہ یہ محبت میرے اندر کی کدورتوں کو ظاہر کر دیتی تھی۔ ایسے وقت میں مجھے اپنا آپ بے معانی اور حقیر لگنے لگ جاتا۔ میں اپنے آپ سے پوچھتی کہ وہ مجھے اپنے پاس بیٹھنے کیوں دیتے ہیں؟ مجھ سے کیوں بات کرتے ہیں؟ لیکن پھر خیال آتا کہ میں اُس نا ہنجار اولاد کی طرح ہوں جو صبح بھولنے کے بعد شام کو گھر واپس لوٹ آتی ہے اور شاید اسی لئے لوٹ آتی ہے کہ باہر آنے کے بعد اُس کا رشتہ گھر کے ساتھ اور زیادہ مضبوط ہو جاتا ہے۔

بابا جی سے ملنے سے پہلے میرے اور اللہ کے درمیان رشتے میں کمی تھی۔ ایک ایسا فاصلہ تھا جس کو عبور کرنا مشکل تھا۔ ایک ایسا خلیج تھا جس کو پار کرنا میرے بس کی بات نہ تھی۔ بابا جی نے آکر اس فاصلے کو اپنی ذات کے پُل سے باندھ دیا۔ بابا جی نے نہ صرف یہ پُل میرے اور میرے اللہ کے درمیان باندھا بلکہ اور بہت سارے پُل میرے اور میرے شوہر اور بچوں کے درمیان باندھ دیئے۔ بابا جی' جو کچھ میں ہوں اور جو بننا چاہتی ہوں' اُس کے درمیان بھی پُل ہیں۔ ان پلوں کی حقیقت کو سمجھنے میں بابا جی نے میری بہت مدد کی۔ وہ ہر مشکل پر یہی کہتے ''اللہ بہتر کرے گا'' اور یقیناً ایسا ہی ہوتا۔ بابا جی کسی بھی مشکل کے گنجل پن میں دلچسپی نہیں لیتے تھے بلکہ اُس کے سلجھاؤ پر توجہ دیتے۔ تھوڑی اور ملاقاتوں کے بعد میں نے بابا جی کو اپنی امی' ابو اور بہن بھائیوں سے ملایا۔ میرے والد جو سکھ مذہب سے ہیں بابا جی سے اس طرح گھل مل گئے کہ جیسے ایک دوسرے کو عرصے سے جانتے ہوں۔ اِن دونوں بزرگوں کا یوں طلسماتی طور پر مل جانا میرے لئے بہت قیمتی تھا۔

بابا جی کی اہلیہ محترمہ جن کو ہم سارے اماں جی کہنے لگے' بابا جی کی ایسی منفرد ساتھی ہیں جو اُن کے تمام ماننے والوں کو سہارا دیتی ہیں۔ کچھ مہینوں کے بعد جب بابا جی اور اماں جی واپس پاکستان چلے گئے تو ہم سب اداس ہو کر رہ گئے۔ آج تک اُن کی یاد دل کو ستاتی رہتی ہے۔ میں اپنے بابا جی کو یہ کہوں گی کہ آپ ایک نہایت طاقتور ریشم کی طرح ملائم انسان

اے بسا شیریں کہ چوں شکر بود
(اے) مخاطب بہت سی چیزیں شکر جیسی ہوتی ہیں

لیک زہر اندر شکر مضمر بود
لیکن شکر میں زہر چھپا ہوا ہوتا ہے

ہیں۔ میں نے کوئی بھی ایسا انسان نہیں دیکھا۔ آپ کی محبت رُوحانی اور بلا شرط ہے۔ میں اس بات کا کبھی شکریہ نہیں ادا کر سکتی کہ آپ ہماری زندگیوں میں آئے۔ میری یہ تعریف آپ کے لئے ہر طرح سے ناکافی ہے، لیکن پھر بھی میں اپنے دل سے یہ چھوٹا سا ہدیہ پیش کر رہی ہوں۔ اللہ اس کو قبول فرمائے۔

مترجم: ڈاکٹر انیق احمد
نیو جرسی (امریکہ)

ھارویٰ فضلی
جنوری ۲۰۰۹ء
نیو جرسی (امریکہ)

بہت دنوں کا سویا منوا جاگت جاگت جاگے

بھو بھاگت بھاگت بھاگے رنگ لاگت لاگت لاگے
بہت دنوں کا سویا منوا جاگت جاگت جاگے (بھگت کبیر)

ترجمہ : شک جاتے جاتے ہی جاتا ہے اور رنگ لگتے لگتے ہی لگتا ہے
اتنی دیر سے سویا ہوا من آہستہ آہستہ ہی جاگتا ہے

میرے لیے یہ سعادت اور عزت کا مقام ہے کہ آج ایک بار پھر اپنے باباجی کے بارے میں اپنے خیالات و احساسات کو لفظوں میں ڈھالنے کا موقع ملا ہے۔ میری خواہش ہے کہ میرے یہ الفاظ نہ صرف میرے باباجی کی شخصیت کی صحیح عکاسی کرسکیں بلکہ میرے اس جہان فانی سے کوچ کرجانے کے بعد بھی اس دنیا میں میرے باباجی کیلئے میرا محبت نامہ بن جائیں۔ میری پہلی تحریر (جنوری 2009ء) اور پیش نظر تحریر میں کسی ابہام یا تضاد کیلئے میں پیشگی معذرت خواہ ہوں، کیونکہ میں سفر میں ہوں۔ ابھی بھی اپنے من کے میل کو دور کرنے میں کوشاں ہوں۔ میں نے اپنے باباجی کے بارے میں جو پہلے لکھا تھا وہ بھی سچ تھا اور جو اب لکھ رہی ہوں وہ بھی سچ ہے۔ وہ میری بدلتی ہوئی زندگی کا جزو لاینفک ہیں۔ میں اپنی ناقابل بیان کیفیات واحساسات کو زبان و بیان کی مجبوریوں کے باوجود الفاظ میں محفوظ کرنے کی کوشش کروں گی۔ یہ روئیداد اور احوال ہیں میرے اس روحانی سفر کے جو کہ میں تاریکیوں سے اجالوں کی جانب کررہی ہوں اور جس سفر میں میرے ناخدا میرے باباجی ہیں۔

باباجی کی کرم نوازی سے گزشتہ چند سالوں میں میرے اور ان کے درمیان ایک دلی تعلق قائم ہوا ہے۔ ان کے ساتھ ہونے والی ہر ٹیلیفونک گفتگو (کیونکہ میں نیوجرسی امریکہ میں ہوتی ہوں اور باباجی لاہور پاکستان میں) نہ صرف مجھے بدلتی جا رہی ہے بلکہ میرے خیالات کو ان کے خیالات سے ہم آہنگ کرتی چلی جارہی ہے۔ بلاشبہ تبدیلی کے اس عمل کا ابھی بہت سا کام ہونا باقی ہے۔ اس روحانی تعلق سے پہلے نہ صرف میری ذات اور زندگی خوب تھی بلکہ ہر طرف سے سب اچھا کی آواز

ہر ندائے کاں ترا حرص آورد
وہ آواز جو تجھ میں کوئی حرص پیدا کرے

بانگِ گرگے داں کہ اُو مردم دَرد
اُسے بھیڑیے کی آواز جان جو تجھے کھا جائے گی

تھی۔ اس تعلق کے بعد تو مجھے ایک سادہ اور آسان زندگی کی توقع تھی۔ میں نے نہیں سوچا تھا کہ مجھے مشکلات اور امتحانات کا سامنا کرنا پڑے گا۔ اسی احساس کبر و برتری میں زندگی خوب گزر رہی تھی لیکن یہ سب بہت جلد ختم ہو گیا۔ اس سے پہلے کہ میں کچھ سمجھ پاتی میری زندگی چاروں اطراف سے طوفانوں میں گھر گئی۔ میری اندرونی دنیا اور میں بکھر کر ٹکڑے ٹکڑے ہونے لگی۔ جیسے ہی میں ان ٹکڑوں کو جوڑنے لگی مجھ پر ایک تاریکی چھا گئی۔ جس سے فرار میرے لیے ممکن نہ تھا۔ میں ان ان دیکھے ٹکڑوں کو کیسے اکٹھا کرتی۔ میں نے تو ایسا ہونے کا سوچا بھی نہ تھا۔ خاص طور پر باباجی جیسی عظیم ہستی سے ملنے کے بعد یہ سب ہونا توقعات کے خلاف تھا۔ بر ہمی میں ان سب کا جواب مانگنے لگی لیکن یہ بے فائدہ ہوا۔ باباجی پاکستان واپس جا چکے تھے اور اللہ تعالیٰ کا میرے پاس نمبر نہیں تھا۔

میری ذات اور میری زندگی کا ڈھانچہ میرے من کی تاریکی اور انا پر کھڑا تھا اور میں اسی ظلمت کدے کی باسی تھی۔ اسی لیے باباجی سے ملنے سے پہلے سب کچھ خوب بلکہ بہت خوب تھا۔ باباجی کی روحانیت سے میرے اس چھوٹے اور تاریک وجود میں سورج جیسی شدید روشنیوں کا اک سیلاب امڈ آیا۔ میں اس کیلئے قطعاً تیار نہ تھی۔ کیونکہ میں اس فریب میں گرفتار تھی کہ میں تو پہلے ہی سے روشنیوں میں رہتی ہوں۔ میں جھگڑی، چلائی اور باباجی سے روزانہ فون پر رابطہ کرنے لگی۔

میری روز کی خود ترسی اور اس میں ڈوب جانے کا عمل اور باباجی سے اس رابطے میں 10-9 گھنٹے کا وقفہ مجھے مزید مشتعل اور مایوس کر دیتا۔ لیکن میں جب بھی ان سے گفتگو کرتی، میرے دن بھر کے ڈرامے کی شدت میں کمی ہو جایا کرتی۔ ان کی آواز سنتے ہی مجھ پر الجھن وندامت چھا جاتی۔ ان سے رابطے کرتے سے فوری طور پر اپنی مشکلات کا بیان مجھے مناسب نہ لگتا۔ اپنی شکایات کی پٹاری کھولنے کی بجائے، میں ان سے عافیت اندیشی، اچھا کرنے اور اچھا ہونے کی بابت دریافت کرتی۔ اپنے عیبوں کو کم کرنے کے طریقے پوچھتی۔ ان سب کے جواب میں میرے باباجی پرخلوص دعاؤں کی بارش کر دیتے اور میں اپنے آنسوؤں کے بیچ خود کو ان کی ان کرم نوازیوں اور شفقتوں کا اہل نہ سمجھتی۔

میری مختصر سی ذات اور میں باباجی کے نور سے راہ فرار اختیار نہ کر سکے اور اس نور کی وجہ سے میرے من کے ہر کونے کھدرے سے کالک چھٹنے لگی۔ ہر عیب کو عدسی شیشے میں دیکھ کر جلا بخشی جاتی۔ اگر میں اپنے محبوب باباجی کی مریدنی بن کر بااصول زندگی بسر کرنا چاہتی تھی تو وہ سب کچھ جو اچھا نہ تھا، صاف نہ تھا، محبت بھرا نہ تھا، معافی اور پارسائی سے پرے تھا۔ ان سب کو مسمار کرنا بہت ضروری تھا۔

اے کہ صبرت نیست از ناز و نعیم
لے کر عیش و عشرت کے بغیر تجھے صبر نہیں ہے

صبر چوں داری ز اللہ کریم
اللہ کریم کے قرب کے بغیر تجھے کیسے صبر ہے؟

میرے خیال سے باہر...... میری روح بھی تو بنیادی طور پر یہی چاہتی تھی۔ اب میں سوچتی ہوں کہ روح کا اصل مقصد تو یہی ہے۔ جس کو ایک بڑا انسان ہی دیکھ سکتا ہے۔ سلجھا سکتا ہے اور اس مقصد کو مکمل کر سکتا ہے۔ اور ہاں یہ سب اسی صورت ممکن ہے کہ نیند آور دوائی سے بے ہوشی طاری کر کے روح کا سرجن آپریشن کرے۔ رضا کارانہ طور پر تو شائد ہی کوئی اس آپریشن کیلئے رضامند ہو۔

اعلانیہ طور پر جب یہ اندرونی و بیرونی کشمکش جاری تھی۔ مجھے اپنی ذات' یقین' تجربے اور وفاداری کے بارے میں اپنے اندر سے اٹھنے والے بہت سے سوالات کا سامنا کرنا پڑا۔ وہ سب جس کو میں سچ مانتی تھی ایک انمٹ سوالیہ نشان سے بدل گیا۔ کیا ہوتا اگر میں سب کچھ پلٹ سکتی؟ کیا ہوتا! اگر میں اس زندگی میں جا سکتی جو باباجی سے پہلے تھی؟ میں باباجی کو اپنی زندگی سے کبھی نہیں نکالنا چاہتی تھی۔ میں ان کو اپنے پاس رکھنا چاہتی تھی میں ایک مرتبہ پھر اس تاریکی کے ساتھ سمجھوتہ کر سکتی تھی۔ آخر کار اسی تاریکی میں ساری زندگی گزاری تھی۔ یہ تاریک دنیا اتنی بری بھی تو نہ تھی۔ کیا واقعی تھی؟ دنیا کے باسیوں کی اکثریت ایسے ہی رہتی ہے اور وہ خوش بھی ہیں۔

اب واپس پلٹنا ممکن نہ تھا۔ میں اپنے نظریات' حقائق اور وابستگیوں کو ادھیڑنے سے باز نہ رہ سکی۔ میں نہ در نہ مٹ رہی تھی۔ میری وہ ذات جس کو میں نے اپنی ساری زندگی صرف کر کے نمود کیلئے تخلیق کیا تھا۔ خاک کی اس معمولی تہہ کی طرح ہو کر رہ گئی جو جھاڑو پھرنے کے بعد فرش پر پڑی رہ جاتی ہے۔ خاک کی ایسی بے قدر و قیمت تہہ کہ جس کو جھاڑو بھی اٹھانے سے کتراتا ہے۔ اگر مجھے ادراک ہو جاتا کہ میرے ساتھ کیا ہونے جا رہا ہے تو میں اس تاریکی اور لاعلمی کی آغوش میں خوشی خوشی اپنی زندگی گزار دیتی۔ کسی نے مجھے انتباہ ہی نہ کیا تھا۔ یہ راستہ اس چٹ کے ساتھ نہیں آیا تھا جس پہ یہ لکھا ہو کہ "یہ تعبیریں الٹی بھی ہو سکتی ہیں" باباجی میرے ساتھ ایسا سلوک کیوں کر سکتے تھے؟ میں تو سمجھتی تھی کہ وہ میرے ساتھ محبت وشفقت رکھتے ہیں۔ ان کے ذمہ تو ان تعبیروں یا تاثیروں کیلئے مزاحمت اور میرا دفاع تھا۔ کاہے کو میں نے ایسے روحانی سفر کا بیڑا اٹھایا؟

باباجی سب جانتے تھے۔ وہ جانتے تھے کہ میں اپنے باطن میں کیسی ناقص اور ادھوری ہوں۔ کیسی نمائشی اور فریبی ہوں۔ ان کو یہ بھی پتا تھا کہ میں کس طرح سب چیزوں سے جڑی ہوئی ہوں۔ وہ یہ بھی جانتے تھی کہ میں کس قدر ناشکری اور باطنی اندھی ہوں اور خود کو بدلنے کی خواہش تک نہیں رکھتی۔ وہ یہ بھی جانتے تھے کہ میں اپنی نظر میں خود کو کتنا صحیح اور اچھا

ایکہ صبرت نیست از پاک و پلید
اے کہ ہر پاک' ناپاک کے بغیر تجھے صبر نہیں ہے

صبر چوں داری ازاں کت آفرید
اپنے پیدا کرنیوالے کے بغیر تجھے کیسے صبر ہے؟

سمجھتی ہوں۔ ان سب سے بڑھ کر یہ کہ وہ مجھ میں چھپے اس جوہر کو بھی دیکھ سکتے تھے جو کہ ہر شخص میں پنہاں ہوتا ہے اور وہ میرے نہ چاہنے کے باوجود بھی اسی جوہر کی تراش خراش کا مصمم ارادہ رکھتے تھے۔

میرے باباجی اکثر ایک شعر سنایا کرتے ہیں جو کہ حضرت میاں بھیک رحمۃ اللہ علیہ کا ہے۔

بھیکا خالی کوئی ناں سب کی جھولی لعل
گرہ کھولنا کوئی ناں جانے اِس لئے کنگال

مجھے اس بات کا پختہ یقین ہے کہ خود کو متقی سمجھنے نے میرے من کے ناقص پن کو گہرے سے گہرا تر کر کے مجھ پر سال ہا سال اذیت پذیر حکمرانی کی ہے۔ نہ ماننے کی ہٹ دھرمی نے مجھے تکلیف میں رکھا۔ میری ذات کی سب سے بڑی بیماری ناشکراپن ہے اور اس میں میری مرضی شامل تھی اور ہے۔ یہ ایک ایسا کورعدسہ ہے جس نے مجھے اچھائی اور رحمت کو کسی چیز میں دیکھنے ہی نہ دیا۔ یہ ایک ایسا پتھرایا ہوا بھاری نقاب ہے کہ جس کو میں اپنے ہر رشتے اور تجربے کے لئے استعمال کرتی ہوں۔ پریشانی، اکیلاپن اور انتشار میرے ساتھی تھے۔ کیونکہ جہالت، خودغرضی اور سیاہی یہی کچھ دے سکتی ہے۔ کوئی اور راستہ بھی نہ تھا۔ باباجی کے ساتھ چلنے کیلئے میرا الٹ پلٹ ہونا ضروری تھا۔ دردوغم انسانی زندگی کا ایک مستقل جزو ہے اور زندگی کا کوئی درماں (علاج) نہیں ہے۔ تو پھر ہم کیوں زیادہ دردوغم کا انتخاب کریں لیکن ہم میں سے اکثر ایسا ہی کرتے ہیں۔

میرے نزدیک اطاعت وہ سراب تھا جس کے معانی ہار اور نقصان کے تھے۔ شکر گزار ہونا ظاہرداری لگتا تھا کیونکہ میں مزید بہتر کے انتظار میں تھی۔ میں نے شکر گزار تو ہونا ہی تھا مگر یہ اس صورت میں قابل قبول تھا کہ اگر یہ میری شرائط اور منتخب اوقات پر ہوتا۔ سب سے زیادہ خوشی اسی صورت میں ہوتی جب ہر دن سب کی طرف سے الف سے ی تک میری تمام خواہشات پوری ہو جاتیں۔ میں، میں اور میرا، میرا، میرا ہر ناپسندیدہ چیز کو بنانے والے ثابت ہوئے۔ جوں جوں مجھ پر اس سچائی کا ادراک ہونے لگا کہ "میں کچھ نہیں جانتی" توں توں میں بے آرام ہوتی چلی گئی۔ اب میرے لیے صرف ایک ہی راستہ بچا تھا کہ میں اطاعت کی کوشش کروں، معافی دوں، معافی مانگوں، محبت و رحم سے پیش آؤں، مان لوں، شکر گزار رہوں اور باباجی کے "خوش رہو" کے حکم پر قائم ہو جاؤں۔ اب میرے لیے صرف یہی رہ گیا کہ میں اپنے مرشد اور اپنے اللہ کی طرف چلتی چلی جاؤں۔

آنکہ از غیرے بُوَد اُو را فرار
جو شخص اللہ کے غیر سے دُور بھاگتا ہے

چُوں ازو بُرید گیرد اُو قرار
جُوں ہی اُس سے الگ ہوتا ہے قرار آجاتا ہے

باباجی کے تصور (خیال) اوران کے ساتھ ہم آہنگ ہونے کی خواہش نے مجھے بہت سی عنایات سے روشناس کروایا۔جن میں سے آزادی'ربط اور ہمسفری کا تعلق اس دنیا سے ہے اور سکون'اطاعت'خوشی' سچائی'محبت اور فلاح کا تعلق اس مادی دنیا سے پرے ہے۔ایک اور کرم نوازی حقیقت بین آنکھیں ہیں جو کہ اصل حقائق کا مشاہدہ کرسکتیں ہیں نہ کہ میرے اپنے خودساختہ حقائق۔''خوش رہو'' ایک دعانہیں ہے بلکہ میرے باباجی کا آفاقی حکم ہے۔جس کو ہر حالت میں ماننا ضروری ہے۔صبر اور شکر جیسے الفاظ کا استعمال ان کی عادت یا تکیہ کلام نہیں ہے بلکہ یہ ان کے عملی احکامات ہیں۔یہ دونوں الفاظ میرے باباجی کی سنت ہیں۔

میں نے اپنے باباجی سے یہ سیکھا ہے کہ رشتوں کی نوعیت نامکمل ہے۔تاہم آقا اور مرید کا آفاقی رشتہ ہی پاکیزہ اور سچ ہے۔جو نہ صرف اس دنیا میں بلکہ اس کے بعد بھی قائم رہے گا۔ان سے تعلق نے میرے دوسرے رشتے ناطوں کو بھی مکمل کر دیا ہے۔وہ سب کچھ جو حل نہ ہوا'وہ ضروریات جو پوری نہ ہوئیں۔اکیلاپن' جذباتی اشتہا' لاجواب سوالات'ان سے ہر گفتگو ان سب اشکالات کا تیر بہدف نسخہ ثابت ہوتی۔ان کے تصور میں کھوئے رہنے یا ٹیلیفونک گفتگو سے شکوک شبہات اور مایوسی کی پرچھائیں ہٹنے لگتیں۔تکلیف دہ ماضی جب بھی درآتا' بے دھیانی کی وجہ سے آتا اوران کے خیال کو دھندلا جاتا۔

میں کسی بھی طرح یقین سے یہ نہیں کہہ سکتی کہ میں منزل مقصود پر یا اس کے قریب پہنچ گئی ہوں۔ایسا ہونا ناممکن ہے۔ ہر دن اپنا رشتہ نئے سرے سے اس خوشی اور مسرت سے ان کے ساتھ استوار کرتی ہوں'جن کے ساتھ میں مانگی گئی ہوں۔ زندگی دھوپ چھاؤں کا نام ہے۔کوئی دن ایسا بھی ہوتا ہے کہ لوگ میرے مدح سرا ہوتے ہیں اور کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ وہ مجھ سے خوفزدہ ہو کر مجھ سے دور بھاگ جاتے ہیں۔میری نحیف فطرت کے پیش نظر ایسا ہی رہے گا۔لیکن ایک بات کا اب مجھے پکا یقین ہے کہ میں اب اکیلی نہیں ہوں۔میں جہاں کہیں بھی ہوں' میرے باباجی میرے ساتھ ہوتے ہیں۔ان کی موجودگی اوران کے نور نے مجھ کو میرے سب سے بڑے دشمن یعنی میری ہی اپنی ذات سے مجھ کو بچا رکھا ہے۔

اب میں بلحاظ بیان اس تحریر کے سب سے مشکل حصے پر پہنچتی ہوں۔میرے باباجی! میں کس طرح سے صحیح اور مکمل طور پر بیان کروں کہ آپ میرے لیے کیا ہیں؟ میں ان معجزوں کا شکریہ کیسے ادا کروں جو میرے اندر اور باہر رونما ہوئے ہیں؟ میں سپاس گزاری کے ساتھ کیسے بتاؤں کہ مجھے اب اپنی ''میں'' کی پہچان نہیں رہی۔میں کیسے بیان کروں آپ کو؟ کیسے تعریف کروں آپ کی؟ آپ کی عظمت کو کیسے خراج تحسین پیش کروں؟ میں جب دیکھ نہیں رہی تھی آپ میرے خیال

نے بہ ہندستِ ایمن و نے در گُفتن
اُسے پُوری دُنیا میں امان نہیں مل سکتی

آنکہ خصمِ اُوست سایہ خویشتن
جس کا دشمن اُس کے اندر موجود ہو

میں آئے اور اس وقت سے آپ میرے اندر ہر چیز کو ادھر ادھر ٹھیک سے رکھ رہے ہیں۔ ٹھیک کر رہے ہیں اور نکال رہے ہیں اور وہ سب کچھ جو مجھ کو آپ سے اور اللہ سے علیحدہ کئے ہوئے تھا۔

آپ ہی نے اس کالے کثیف خوف اور کالک کی دھند کو جلا ڈالا ہے۔ اس وعدے اور یقین دہانی کے ساتھ کہ ایسا باقی سب کچھ بھی جلد ہی جانے والا ہے۔ عالم مایوسی میں آپ مجھے ہمیشہ یہی یاد دلاتے ہیں کہ زندگی ہنسنے کھیلنے کا نام ہے۔ مایوسی (رونے دھونے) کا نہیں۔ آپ میری شدت کی سسکیوں کے وقت مجھ کو حلم کے ساتھ یہ بتاتے ہیں کہ سب کچھ کتنا فروعی اور عارضی ہے اور اصلی حقیقت محب کی ذات اور آپ ہیں۔ میری بری سے بری حالت پر بھی آپ کو کبھی طیش نہیں آتا۔ نہ ہی آپ نے میرے لیے کوئی رائے قائم کی ہے۔ ہمیشہ طرفداری اور دردمندی سے ساتھ دیا۔

آپ نے کبھی کچھ نہیں مانگا جبکہ میں نے آپ سے سب کچھ لیا ہے۔ یہ کس قسم کا تعلق ہے۔ یہ آپ کا رحم، ہمدردی، صبر، پیار، بندہ پروری، عافیت اور آپ کی نظر کرم ہے کہ جس نے مجھے بدل ڈالا ہے۔ اب للہ مجھے دوبارہ پہلے جیسا ہونے نہ دیجئے گا۔ برائے مہربانی مجھے کبھی نہ چھوڑیئے گا۔ مجھے ہدایت دیں، میری رہبری کریں، مجھے اس رخ لے چلیں کہ جہاں آپ چاہتے ہیں کہ مجھے جانا چاہئے۔

میں اب آپ کی بندی ہوں، آپ کی داسی ہوں۔ آپ کے پاس وہ چابی ہے جو وہ دروازہ کھولتی ہے جس سے پیارے نبی کریم ﷺ کا تعارف ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اب ایک ذات یا تصور نہیں رہا، بلکہ ایک تجربہ ہے جواب ممکن ہے۔ میں آپ کی احسان مند ہوں۔ میرے محبوب بابا جی! اب آپ میرے دل میں ہمیشہ کیلئے بستے ہیں اور آپ کی روشن وتاباں یادیں ہمیشہ کیلئے ہیں۔

اس روحانی سفر میں ایک خاص اور نظر نہ آنے والی ہستی میرے بابا جی کی اہلیہ محترمہ ہیں۔ ہم ان کو اماں جی بھی کہتے ہیں۔ ان کے بارے میں میرا خیال یہ ہے کہ وہ بابا جی کی چیلی (مرید) اور برابر کی حصہ دار ہیں۔ یہ ان کی زبردست فیاضی اور بے غرضی ہے کہ وہ اپنے رفیق حیات کو ہمارے ساتھ بانٹ لیتی ہیں۔ جبھی تو وہ ہمارے پاس موجود ہیں۔ میں اکثر بھول جاتی ہوں کہ بابا جی پہلے ایک خاوند ہیں۔ اماں جی ایک خاموش دربان اور منتظم اعلیٰ کے روپ میں بابا جی کی سلطنت کو چلاتی ہیں اور ایک لفظ بھی نہیں بولتیں۔ وہ کسی کام کا کریڈٹ نہیں لیتیں۔ اپنی تعریف نہیں کرواتیں۔ اماں جی! میں تہہ دل سے آپ کو خراج تحسین پیش کرتی ہوں۔ آپ کی غیر حاضری میں بابا جی آپ کی تعریفیں کرتے نہیں تھکتے۔ وہ کہتے ہیں کہ

کہ ازو اندر گریزی در خلا
تُو دشمن کی وجہ سے تنہائی کو اختیار کرتا ہے

استعانت جوئی از لطفِ خدا
اور اللہ کی مہربانی کا طالب بنتا ہے

ان کی چھ دہائیوں پر مشتمل شادی شدہ زندگی میں آنیوالی سختیوں اور مشکلات کے باوجود اماں جی نے کبھی کسی قسم کی شکایت نہیں کی۔ انہوں نے ہر اس چیز کو شکر گزاری سے قبول کیا جو باباجی نے انہیں لا کر دی۔ باباجی کہتے ہیں کہ وہ جو کچھ اماں جی کے ہاتھ پر لا کر رکھ دیتے وہ سب اماں جی کے ہاتھوں کی برکت سے کئی گنا ہو جاتا۔ میں نے اپنی ساری زندگی میں کسی مرد کو اپنی بیوی کی اتنی تعریف کرتے نہیں دیکھا۔ ماشاءاللہ ماشاءاللہ۔

مجھ پر گزرنے والی یہ تمام واردات و کیفیات اور عنایات کبھی ممکن نہ تھیں اگر ایک شخص جو کہ میرے جیون ساتھی ہیں "عمیر" نہ ہوتے۔ وہ مجھے مکہ لائے اور میرے لئے باباجی لے آئے۔ عمیر گزشتہ پچیس سالوں سے زندگی کے اس مشکل سفر میں میرے ساتھی ہیں۔ انہوں نے میرا ہاتھ تھام کر مجھے آگ کا سمندر پار کروایا ہے۔ وہ صرف ظاہراً ہی نہیں بلکہ من کے بھی اجلے ہیں۔ ان میں موجود محبت کی وسعت' شفقت اور Compasison میں نے کسی اور میں نہیں دیکھا۔ ان کے اندر روحانی نوعیت کی ایسی پاکیزگی اور لطافت موجزن ہے کہ جس کا کوئی ثانی نہیں۔ باوجود اس کے کہ ہماری ازدواجی اور ذاتی زندگی میں طغیانی وتلاطم برپا رہا۔ میں اکثر اس سوال کو کھوجتی ہوں کہ ہمارا املاپ کیوں ہوا۔ اس بات کو سمجھ نہیں پاتی کہ آخر کیوں ہم ایک ساتھ اکٹھے کئے گئے۔ کیا یہ ممکن ہے کہ اس کے پیچھے ایک منصوبہ اور وجہ ہے؟ کیا ایسا نہیں ہوتا؟ ماضی میں جھانکتے ہوئے میں یہ کہہ سکتی ہوں کہ شائد اس میں دو ناقص اور آزردہ روحوں کو جوڑنا مقصود تھا۔

واقعات اور ثمرات نے دونوں کو ساتھ ساتھ جبراً ڈھیر کر دیا ہے۔ اب میں کہہ سکتی ہوں کہ یہ ایک غیر ارادی اور نادانستہ سجدہ معلوم ہوتے ہیں۔ عمیر اس ڈھیر سے اٹھ کر اپنے لمبے سفر میں باباجی کو کھوجنے کیلئے نکل کھڑے ہوئے۔ جب باباجی مل گئے تو وہ ان کو گھر لے آئے۔ سالوں بعد باباجی کی عنایات اور نوازشات کے طفیل یہ ڈھیر اب اصلی سجدہ بن گیا ہے۔ اب ہم دونوں اکٹھے بیٹھ کر اپنے باباجی کے جمال اور عظمت کو دیکھتے ہیں۔ پیارے نبی کریم ﷺ پر مل کر درود وسلام بھیجتے ہیں اور ہم اس سناٹے اور خاموشی میں گم ہو جاتے ہیں کہ جو لفظوں سے ماورا ہے۔

ہمارے محبوب! ہم آپ کو آنسوؤں کا نذرانہ ہی پیش کر سکتے ہیں۔

ھاروتی فضلی

مئی ۲۰۱۳ء

نیوجرسی (امریکہ)

درحقیقت دوستانت دشمنند	کہ زحضرت دور و مشغولت کنند
حقیقت میں تمہارے دوست تمہارے دشمن ہیں	وہ تمہیں گپوں میں مشغول اور دوست سے دور کرتے ہیں

انوار العلوم

گفت پیغمبر کہ ہست از اُمّتم
پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میری اُمت میں ایسے لوگ ہوں گے

کو بود ہم گوہر و ہم ہمتم
جو میرے جوہر علم اور ہمت میں شریک ہوں گے

•

مر مرا زاں نور بیند جانِ شاں
اُن کی رُوح مجھے اُس نُور سے دیکھ سکے گی

کہ من ایشاں را ہمی بینم بداں
جس سے میں اُن کو دیکھتا ہوں یعنی نُورِ الٰہی

•

رومیاں آں صُوفیانند اے پدر
اے بابا صُوفی رُومیوں کی طرح اپنی لوحِ دل کو صاف کیے ہوئے ہیں

بے ز تکرار و کتاب و بے ہُنر
بغیر کسی علم اور کتاب اور سیکھنے کے

•

لیک صیقل کردہ اند آں سینہا
لیکن انہوں نے اپنے سینوں کو مانجھ کر صاف کر لیا ہے

پاک ز آز و حرص و بُخل و کینہا
لالچ اور حرص اور بُخل اور کینوں سے

•

چوں ز سینہ آبِ دانش جوش کرد
جب سینہ میں سے عقل کا پانی جوش مارتا ہے

نے شود گندہ نہ دیرینہ نہ زرد
نہ وہ گندہ ہوتا ہے، نہ پُرانا نہ زرد

•

از دمِ حُبُّ الوطن بگذر مایست
موجُودہ وطن کے دھوکے سے نِکل جا

کہ وطن آنسُوست جاں ایں سُوی نیست
کہ اصل تو اُس طرف ہے نہ کہ اِس طرف

ہر کہ کارد قصدِ گندم باشدش
جو بوتا ہے اُس کا ارادہ گندم حاصل کرنا ہوتا ہے

کاہ خود اندر تبع می آیدش
بھوسا قدرتی طور پر اُسے حاصل ہو جاتا ہے